324

# ل کی تلاش

اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ینگسٹرز اردو انگلش لائبریری
This Book Must Be Returned
to the YOUNGSTER'S Library

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید
آفتاب، آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا
اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

سیریز
324

# محل کی تلاش

اشتیاق احمد

# سرکاری مہمان

وہ اپنے گھر کے صحن میں جمع تھے۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی موجود تھے:

"سوال یہ ہے کہ اب تم کیا کرو گے جمشید۔ پروفیسر صاحب تو اپنے تجربات میں مصروف رہیں گے، میں اپنی زمینوں اور کانوں کو دیکھتا رہوں گا، لیکن تم کیا کرو گے۔ تمہارا تو استعفیٰ منظور ہو چکا ہے۔ بلکہ تمہارے آئی جی صاحب کا بھی۔ آخر زندگی گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑتا ہے۔" خان رحمان فکرمندانہ انداز میں کہہ رہے تھے۔

"یہی بات تو میں نے سوچی ہے کہ اب چند ماہ تک آرام کیا جائے، مسلسل کام کرتے کرتے ہم بھی تھک گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"خیر۔ یہ تو غلط ہے جمشید۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"کیا غلط ہے؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ کہ تم تھک گئے ہو۔ جس دن تم تھک گئے، وہ دن شاید تمہاری

زندگی کا آخری دن ہو گا" انھوں نے کہا۔

"ہو سکتا ہے، آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں ۔۔ خیر ۔۔ میری دوسری تجویز سن لیں ۔۔ میرا جی چاہتا ہے ۔۔ جس طرح ہمارے دشمنوں نے ہمارے ملک کو درہم برہم کر کے رکھ دیا ہے، کیوں نہ ہم بھی ان کے ملک میں جا کر انھیں بھی ایسے ہی حالات سے دو چار کر دیں۔"

"بہت اچھے ۔۔ واہ" محمود نے نعرہ لگایا۔

"پہلے اطمینان سے سن تو لو" فاروق نے جل کر کہا۔

"اطمینان کہاں سے لاؤں بھئی ۔۔ آج کل بازار میں ملتا تو بند ہو گیا ہے" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"کیا چیز نہیں مل رہی بازار میں؟" پروفیسر داؤد بے دھیانی کے عالم میں بولے۔

"جی اطمینان"

"اوہ ہاں ۔۔ واقعی یہ تو ہے" انھوں نے فوراً کہا۔

"میں کہہ رہا تھا، ہم دشمن ملک میں جائیں اور وہاں ہل چل مچا دیں۔"

"کیا یہ کام اتنا ہی آسان ہو گا ابا جان؟" فاروق نے پوچھا۔

"نہیں بھئی ۔۔ آسان تو قطعاً نہیں ۔۔ ہاں جان جوکھوں کا ضرور ہو گا ۔۔ آخر ہمارا دشمن بھی تو ہمارے مقابلے میں ہی موت اور ہی موت کو لائے گا"

"ارے ہاں! میں بھی کہنے والا تھا" فاروق نے جوش میں آ کر کہا۔



"اس نے تو کر دیا ہے ۔۔ ہم بھی ان سے پیچھے نہیں" محمود بول اٹھا۔

"اگر ہمارے بس میں ہوتی تو میں بھی ایک تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں" ایسے ہی فاروق بول اٹھا۔

"ہوں ۔۔ کوئی نہیں" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہو گی کوئی اوٹ پٹانگ" فرزانہ بول اٹھی۔

"تم نے کیسے کہہ دیا؟" فاروق اس کی طرف پلٹ پڑا۔

"بڑی مصیبت ہے ۔۔ تم بات بات پر آپس میں جھگڑنے لگتے ہو" انسپکٹر جمشید نے ہنس کر کہا۔

"اور بہت پیارے لگتے ہیں ایسے میں" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"صرف آپ کو ۔۔ ہمیں نہیں" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"بات کیا ہو رہی تھی ۔۔ کہاں پہنچ گئی" خان رحمان بولے۔

"ہاں فاروق ۔۔ تم اپنی تجویز پیش کر رہے تھے۔"

"جی ہاں ۔۔ میرا خیال ہے ۔۔ ہم شوکی برادرز کی طرح ایک عدد پرائیویٹ جاسوسی ادارہ کھول لیں اور معاوضے لے کر کیس حل کیا کریں۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے نکلا ۔۔ چہروں پر حیرت اور

مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ تجویز بہت زوردار ہے، لیکن اس ادارے کا مہتمم میں بنوں گا۔" خان رحمان چلائے۔

"لیجیے پروفیسر صاحب۔ یہاں تو عہدے بھی تقسیم ہونے لگے۔ آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔ آپ ہمارے ادارے کا کیا بنیں گے؟"

"چپراسی۔" پروفیسر داؤد نے فوراً کہا اور ان کی ہنسی نکل گئی۔

"خیر خواتین میں سنبھال لوں گی۔" باورچی خانے سے بیگم جمشید کی آواز سنائی دی۔

"چائے تو اب تک پلا نہیں سکیں۔ خیر خواتین کیا سنبھالیں گی بھابی۔" خان رحمان منہ بنا کر بولے۔

"چائے تو بالکل تیار ہے۔ میں سوچ رہی تھی، آپ لوگ کسی فیصلے پر پہنچ جائیں تو چائے بھیجوں۔"

"پہنچ چکے ہم کسی نتیجے پر۔" خان رحمان بولے۔

"اور کیا۔ کسی جہاز پر آکر ہی پہنچے تو ایک بات بھی ہے۔ تجویز بے چارہ ہے کس کھیت کی مولی۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"خیر۔ فاروق کی تجویز بھی بری نہیں۔ وقت گزارنے کا ایک بہترین طریقہ ہو سکتا ہے، لیکن اس کے لیے تو باقاعدہ جگہ لینا پڑے گی۔ دفتری سامان خریدنا ہوگا۔ عملہ رکھنا ہوگا۔"



"تو سب کام شوکی برادرز نے تو نہیں کر رکھے۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"اوہو۔ یہ چاروں کی بات اور ہے۔ وہ تو زیادہ کام چلا رہے ہیں۔ لیکن ہم تو ایسا نہیں کر سکتے۔ ہمارا تو ایک خاص قسم کا ادارہ ہوگا۔ ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے۔

"لوگوں کی کیا بات ہے ابا جان۔ وہ تو کچھ بھی کہتے ہیں۔"

"اور یہ بھی ٹھیک ہے۔ میں غلط کہہ گیا۔ ہمیں لوگوں کے لیے کچھ سوچنا نہیں کرنا چاہیے۔"

"خیر تم فکر نہ کرو۔ یہ سارا کام میں خود کر لوں گا۔ ہمیں دو دن میں بالکل تیار ایک عمدہ دفتر مل جائے گا۔"

"تب۔ تو کیا یہ تجویز ہم سب نے منظور کر لی ہے؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"معلوم تو یہی ہوتا ہے۔"

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے آئی جی صاحب کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو جمشید۔ کیا ہو رہا ہے؟"

"اوہو۔ یہ آپ ہیں سر۔"

"نہیں بھئی۔ اب میں سر وغیرہ نہیں رہا۔" وہ بولے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے سر۔ آپ بالکل اسی طرح میرے سر ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میں نے پوچھا تھا۔ کیا ہو رہا ہے؟"

"ایک عدد جاسوسی ادارہ۔ پرائیویٹ جاسوسی ادارہ۔"

"اوہ نہیں۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔" وہ چونک کر بولے۔

"جی۔ کیا مطلب۔ ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟"

"ابھی ابھی صدر صاحب کا فون آیا ہے۔ انھوں نے تمھیں اور مجھے بلایا ہے۔ شاید انھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

"تو پھر فوراً میرے پاس پہنچو۔"

"جی بہتر۔" انھوں نے کہا۔

ریسیور رکھ کر وہ ان کی طرف مڑے:

"آئی۔جی صاحب کو اور مجھے صدر صاحب نے بلایا ہے۔ جب تک میں لوٹ کر نہ آؤں۔ آپ لوگ یہیں رہیں۔" انھوں نے پروفیسر صاحب اور خان رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ ویسے اس دوران ہم چائے تو پی سکتے ہیں۔" پروفیسر داؤد گھبرا کر بولے۔

"اوہ جی ہاں۔ کیوں نہیں۔" انھوں نے ہنس کر کہا اور باہر نکل گئے۔ محمود دروازہ بند کرنے کے لیے اٹھ گیا۔



آئی۔جی صاحب اور انسپکٹر جمشید کو فوراً صدر صاحب تک پہنچایا گیا۔

"تشریف رکھیے۔" انھوں نے خوش گوار لہجے میں کہا اور وہ بیٹھ گئے۔

"آپ نے استعفے دیے ہیں؟"

"جی ہاں۔ دیے تو ہیں۔" آئی جی بولے۔

"واپس لے لیں۔ ملک کے مفاد میں یہی بہتر ہے۔"

آئی۔جی صاحب نے جلدی سے انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا، جیسے ان کی خواہش ہو کہ اس بات کا جواب وہ دیں۔

"ضرور واپس لے لیتے ہیں سر۔ لیکن ہمیں بھی جائے حادثہ کا معائنہ کرنے کی اجازت دی جائے اور تحقیقات کرنے کی بھی، جو بھی اس حادثے کا ذمے دار ہو گا۔ ہمیں اس کو گرفتار کرنے کی اجازت بھی ہونی چاہیے۔"

"میں نے کہا نا۔ تحقیقات ہو رہی ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔ لیکن اگر ہم بھی کریں گے تو کیا فرق پڑ جائے گا؟"

"یہ نہیں ہو گا۔ چاہے تم میری بات مانو یا نہ مانو۔ میں نے تو صرف مشورہ دینے کے لیے بلایا تھا کہ ملک کو آپ جیسے مخلص لوگوں کی ضرورت ہے۔"

"مگر یہ آپ کا حکم ہے سر۔ تو ہم اسی وقت ڈیوٹی پر چلے جاتے ہیں۔ اور اگر حکم نہیں ہے تو پھر ہمیں معذور جانیں۔"

"یہ حکم نہیں ہے۔ جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔" انھوں نے کندھے اُچکائے۔

"شکریہ سر۔ کیا اب ہمیں اجازت ہے؟"

"ہاں!" وہ بولے۔

دونوں باہر آ گئے۔

"کیا ہم نے اچھا کیا ہے جمشید؟ آئی جی صاحب بہت فکر مند تھے۔"

"بالکل سر۔ ان حالات میں ہمارا ملازمت میں رہنا کسی صورت بھی مناسب نہیں۔ دیکھیے نا۔ ہم کسی بڑے مجرم کو پکڑیں گے۔ اوپر سے حکم آ جائے گا، اسے چھوڑ دیا جائے۔ ہمیں چھوڑنا پڑے گا۔ لیکن یہ بات ہو گی ہمارے ضمیر کے بالکل خلاف۔ مرحوم صدر تو ہماری بات مان لیتے تھے۔ ہماری دلیل کو قبول کر لیتے تھے، لیکن میرا خیال ہے، یہ نہیں مانیں گے۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔" انھوں نے کہا۔

انسپکٹر جمشید گھر میں داخل ہوئے تو صحن میں اسی طرح محفل جمی ہوئی تھی۔

"کیا بات تھی ابا جان؟"

انھوں نے بات بتا دی۔ وہ ایک ساتھ بولے:

"آپ نے بالکل ٹھیک کیا۔"

"اور تم لوگوں نے اتنی دیر میں کیا طے کیا؟"

"وہی۔ ایک پرائیویٹ جاسوسی ادارہ۔" فاروق چہکا۔

"میرا خیال ہے۔ انسپکٹر کامران مرزا کے گھر میں بھی اس وقت اسی قسم کی ایک میٹنگ ہو رہی ہو گی۔ کیا خیال ہے۔ فون کر کے معلوم کریں۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔"

انھوں نے انسپکٹر کامران مرزا کے نمبر ملائے اور سلسلہ ملنے پر بولے:

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔ اوہ۔ یہ آپ ہیں۔ کہیے کیا طے کیا مستقبل کے بارے میں؟" دوسری طرف سے انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اوہ۔ تو ہمارا خیال ٹھیک تھا۔"

"ہاں! میں بھی فون کرنے ہی والا تھا۔ آفتاب کی تجویز ہے کہ ہم شوکی برادرز کی طرز پر ایک جاسوسی ادارہ قائم کریں۔"

"کمال ہے۔ بالکل یہی تجویز اس طرف فاروق نے پیش کی ہے۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تب پھر بسم اللہ کریں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"شکریہ۔ پہلے جائزہ تو لے لیں۔ کہ ہم یہ کام کر سکیں گے یا نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔ میں بھی پہلے جائزہ لوں گا۔"

"اچھا تو پھر اللہ حافظ۔" انھوں نے کہا۔ دوسری طرف سے بھی اللہ حافظ کہا گیا اور دونوں نے ایک ساتھ ریسیور رکھ دیے۔

"تو اس طرف بھی یہی چکر چل رہا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"ہاں! لیکن بھئی، میرا خیال ہے۔ ہماری یہ گاڑی چل نہیں سکتی۔" انسپکٹر جمشید سنجیدہ لہجے میں بولے۔

"جی۔ کیا مطلب۔ یہ آپ نے کیا کہا۔ اور ابھی آپ انکل کامران مرزا سے کیا کہہ رہے تھے۔"

"میں نے ان سے بھی یہی کہا ہے کہ پہلے جائزہ لے لیا جائے۔"

"تو پھر جائزہ لیں نا۔ یہ تو نہ کہیں کہ ہماری گاڑی چل نہیں سکے گی۔ پرائیویٹ جاسوسی کی گاڑی۔"

"میں جائزہ لے چکا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"اوہو۔ اتنی جلدی۔ ذرا ہم بھی تو سنیں۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ فرض کر لیتے ہیں۔ ہم ادارہ قائم کر چکے ہیں۔ دفتر میں حسب معمول طرح ہو کر بیٹھا ہے۔ اچانک ایک شخص آپ کے پاس آتا ہے۔ اور کسی قتل کا دعویٰ لاتا ہے کہ مرحوم صدر تک



مارنے کا کھوج لگایا جائے۔ تو ہم کس طرح اسے کھوج لگا کر دیں گے۔ ہمارے لیے تو تفتیش کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"لیکن جمشید۔ اس قسم کا کیس شاید ہی کوئی لے کر آئے اور اگر کوئی آ ہی جاتا ہے تو ہم اسے بتا دیں گے کہ اس کیس کی حد تک ہم بالکل بے بس ہیں۔ کچھ نہیں کر سکتے۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بات تو واقعی کوئی نہیں ہوئی۔ لیکن جہاں بس نہ چلے وہاں کوئی کیا کر سکتا ہے۔"

"یہ سوچ کر ادارے کا پھر کیا فائدہ۔ ایسے اداروں میں تو وہی لوگ آتے ہیں۔ جن کے بس نہیں چلتے۔ اور اگر ادارے والوں کا بھی بس نہ چلے تو ادارے کی ضرورت کیا رہ جاتی ہے۔"

"بات آپ کی وزنی ہے۔ لیکن ہم کیا کریں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو بیٹھ نہیں سکتے۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"خیر۔ ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ ہم ہر قسم کا کاروبار شروع کر سکتے ہیں۔" خان رحمان نے فوراً کہا۔

"لیکن انکل۔ ہم کاروباری لوگ نہیں ہیں۔ خاص جاسوس ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"تب پھر میری ایک شرط ہے۔" اچانک انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ۔ شرط ۔ یہ یک دم شرط کہاں سے ٹپک پڑی۔" فاروق چونکا۔

"ہم اس ادارے کے تحت یہ مسئلہ نہیں صدرِ مملکت کے حوالے سے حل کریں گے ۔ ہم یہ تو جانتے ہیں کہ سازش بھی [illegible] اور اسی [illegible] نے مل کر تیار کی تھی، لیکن اندرونی طور پر سازش کی گئی ہیں، ابھی تک نہیں کھل سکیں ۔ جہاں ہم کسی نے دیکھا ۔ کسی [illegible] دیکھا ۔ کیوں نہ ہم اس سازش کو بے نقاب کریں۔"

"پھر وہی بات ۔ آخر کیسے بے نقاب کر سکتے ہیں ۔ جب کہ حکومت وہاں کسی کو پر تک مارنے کی اجازت نہیں دے رہی۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"یہی تو مزا ہے ۔ ان حالات میں بھی ہم اس کیس پر کام کریں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ ۔ میں سمجھ گیا ۔ آپ اس کیس پر کام کیے بغیر نہیں رہیں گے ۔ لیکن ابا جان ۔ پورے ملک کی فوج اور پولیس ہمارے پیچھے پڑ جائے گی۔"

"کوئی پروا نہیں ۔ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ ہے۔"

"اس بات میں بھلا کسی کو شک ہو سکتا ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

عین اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی ۔ انھوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا ۔ اور پھر انسپکٹر جمشید اٹھ کر دروازے کی



[illegible] چلے گئے۔

"ہائے کیوں ۔ میرا دل دھک دھک کر رہا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"تمھارا دل آخر کب سے ہو گیا۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"تب تو صدر محترم ہونے کا شکار ہو سکتے ہیں۔" اس [illegible]

اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

"آپ لوگوں کو ابھی اور اسی وقت ایوانِ صدر طلب کیا گیا ہے ۔ صدرِ مملکت خود بات کرنے کے لیے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"بہت بہتر ۔ ہم ابھی چند منٹ میں آتے ہیں۔" انھوں نے کہا، پھر کسی کی طرف مڑے ہی تھے کہ ایک خیال آنے پر بولے:

"کیا ہم لوگوں میں پروفیسر داؤد اور خان رحمان بھی شامل ہیں؟"

"جی نہیں ۔ صرف آپ اور آپ کے بچے۔"

"شکریہ۔" [illegible] اندر آ گئے۔

"آپ دونوں یہیں ٹھہریں ۔ ہم ایوانِ صدر ہو کر آتے ہیں ..."

میرا خیال ہے — صدر صاحب نے آخر ملک کے لیے ہماری ضرورت محسوس کر ہی لی۔"

"اس سے اچھی بات اور کیا ہو گی۔" خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے — ہمارا جاسوسی ادارہ قائم ہوتے ہوتے رہ گیا۔" فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"گویا بہت بے چین تھے — ادارہ قائم کرنے کے لیے۔" محمود تیز لہجے میں بولا۔

"ہاں! ہماری زندگیوں میں یہ ایک نئی تبدیلی ہوتی۔" اس نے کہا۔

پھر وہ باہر نکل کر سرکاری گاڑی میں بیٹھ گئے۔ جلد ہی انھیں ایوانِ صدر پہنچا دیا گیا — اندر ایک شخص کو دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — وہ انشارجہ کے وزیرِ خارجہ کا سیکرٹری تھا۔

"مسٹر گراہم — آپ یہاں کیسے؟" انسپکٹر جمشید نے حیرت زدہ انداز میں پوچھا۔

"صدر محترم نے [illegible] کے سلسلے میں بلوایا تھا — لیکن آپ کو میری یہاں موجودگی پر حیرت کیوں ہے؟" گراہم کے لہجے میں حیرت تھی۔



"آپ یہاں موجود ہیں اور آپ کی موجودگی میں ہی صدر صاحب نے ہمیں بلایا ہے — اس لیے مجھے حیرت ہوتی تھی۔" انھوں نے کہا۔

"مجھے تو اس میں کوئی حیرت کی بات محسوس نہیں ہوتی۔" گراہم مسکرایا۔

عین اسی وقت صدر صاحب اندر داخل ہوئے — انھوں نے آتے ہی انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا اور بولے:

"کیا آپ جانتے ہیں — آپ کو یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟"

"ابھی تک اندازہ نہیں لگا سکا۔" وہ بولے۔

"ماہروں سے مشورہ کیا ہے میں نے — ان سبھی نے ایک رائے دی ہے۔"

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ اگر آپ لوگوں کو آزاد رکھا گیا تو آپ مرحوم صدر کے معاملے کی تحقیقات اپنی جانیں دے کر بھی کرنا پسند کریں گے۔" انھوں نے کہا۔

"اوہ — آپ کے ماہرین پر مجھے حیرت ہے۔" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔

"تو پھر سر — کیا آپ نے ہمیں یہ اجازت دینے کا فیصلہ کیا ہے؟" محمود نے فوراً کہا۔

"نہیں! بلکہ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تم کچھ عرصہ سرکاری مہمان خانے میں رہو گے۔"

"جی۔ کیا مطلب؟"

وہ اچھل پڑے۔

ساتھ ہی مسلح فوجیوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال دیا۔



# پرائیویٹ جاسوس

پروفیسر داؤد اور خان رحمان کو جب انتظار کرتے بہت دیر ہو گئی تو پروفیسر داؤد نے ایوانِ صدر فون کیا۔ آپریٹر کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"دیکھیے جی! میں پروفیسر داؤد بول رہا ہوں۔ صدرِ مملکت نے انسپکٹر جمشید اور ان کے بچوں کو یہاں بلایا تھا۔ وہ اب تک لوٹ کر نہیں آئے۔ وہ ابھی تک یہیں ہیں یا واپس جا چکے ہیں۔ بس اتنا بتا دیں، کیونکہ دیر بہت ہو گئی ہے۔"

"انہیں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا ہے اور اب وہ کچھ عرصہ تک جیل ہی میں رہیں گے، ان سے ملاقات کی بھی کسی کو اجازت نہیں ہو گی۔ مجھے آپ کو یا ان کی بیگم کو بھی بتانے کی ہدایت دی گئی تھی۔" اس نے کہا۔

"اوہ!" پروفیسر داؤد دھک سے رہ گئے، دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔

This Book Must Be Returned
to the YOUNGSTER'S Library

http://www.pakfunplace.com

"وہ بھی خان رحمان۔ نئی سنو۔ انھیں تو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا ہے۔"

"کیا۔ یہ کیا کہا آپ نے پروفیسر صاحب۔" خان رحمان چلا۔ بیگم جمشید بھی اپنے کمرے میں ساکت رہ گئیں، پھر خان رحمان جلدی جلدی انسپکٹر کامران مرزا کو فون کیا، دوسری طرف سے بی کامران مرزا کی آواز سنائی دی:

"انھیں نائب صدر نے بلایا تھا، ابھی تک لوٹ کر نہیں آئے۔"

"وہاں فون کریں۔ میں دو منٹ بعد فون کروں گا۔" خان رحمان بولے۔

"خیر تو ہے بھائی جان۔ آپ کی آواز بہت گھبرائی ہے؟" بیگم کامران مرزا نے پوچھا۔

"انسپکٹر جمشید اور ان کے بچوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے جیل بھیج دیا گیا ہے۔"

"یہ۔ یہ میں کیا سن رہی ہوں۔"

"آپ پہلے ادھر کی خبر لیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور دیا اور پھر کوئی خیال آنے پر انھوں نے شوکی برادرز کے ڈائل کیے۔ فوراً ہی مشتاق احمد خان کی آواز سنائی دی:

"ہیلو خان صاحب۔ شوکی برادرز کہاں ہیں۔"

"پولیس کی ایک جیپ آئی تھی تھوڑی دیر پہلے۔ انھوں نے



تھا کہ آئی جی صاحب نے انھیں بلایا ہے۔"

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔

"کیوں خان صاحب۔ کیا ہوا؟"

انھوں نے جلدی جلدی بات بتائی اور ریسیور رکھتے ہوئے بولے:

"پروفیسر صاحب۔ اب ہم یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ انسپکٹر کامران مرزا پارٹی اور شوکی برادرز کو بھی گرفتار کیا جا چکا ہے۔ انھیں صرف اس لیے گرفتار نہیں کیا گیا کہ ہم تحقیقات جیسا کام نہیں کر سکتے۔"

"اف مالک۔ آخر ایسا کیوں کیا گیا ہے؟" پروفیسر داؤد نے [illegible] کر کہا۔

"بڑی طاقتیں چاہتی ہیں۔ اس حادثے کی تحقیقات نہ ہو سکیں۔ لہٰذا اس نے ہمارے تمام راستے روک دیے ہیں۔"

"تب پھر۔ اب ہم کیا کریں؟"

"ہم تینوں پارٹیوں کو ضمانت پر رہا کرانے کی پوری کوشش کریں گے۔ پہلے تو میں ذرا نئے آئی جی صاحب سے بات کر لوں، معلوم تو ہو۔ یہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟"

"ضرور خان رحمان۔ چلو۔" وہ بولے۔

"بھائی ہم جا رہے ہیں۔ آپ دروازہ بند کر لیجیے گا۔ اور

www.paksociety.com

"ہاں! آپ بالکل فکر نہ کریں۔"

"ٹھیک ۔ ٹھیک ہے۔" انھوں نے بیگم جمشید کی لرزتی آواز سنی۔

دونوں سیدھے آئی جی صاحب کے ہاں پہنچے ۔ وہ انھیں اچھی طرح پہچانتے تھے؛

"ہم صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچوں کو کس جرم میں جیل بھیجا گیا ہے؟"

"ہم نے انھیں گرفتار نہیں کیا ۔ نہ ہمیں ہدایات ملی ہیں، انھیں تو صدر صاحب نے خود ملاقات کے لیے بلایا تھا اور وہیں سے انھیں جیل بھجوایا گیا ہے۔"

"ہوں! کیا ہم ان سے ملاقات کر سکتے ہیں؟"

"اس سلسلے میں آپ صدر صاحب سے بات کر لیں۔"

"شکریہ!" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اب کیا کریں؟" خان رحمان نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"صبر ۔" وہ بولے۔

"خیر ۔ صدر صاحب سے بھی بات کر ہی لیں۔"

خان رحمان نے کار کا رخ اپنے گھر کی طرف موڑ دیا ۔ وہاں سے صدر صاحب کو فون کیا ۔ کافی دیر کی کوشش کے بعد سلسلہ ملایا گیا۔

"ہاں بھئی ۔ خان صاحب فرمائیے۔"



"ہم انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"ضرور ملاقات کریں ۔ ان سے ملاقات پر کوئی پابندی نہیں ہے۔"

"بہت بہت شکریہ جناب ۔ ہمیں یہی بتایا گیا تھا کہ ملاقات پر بھی پابندی ہے۔"

"ہاں! پہلے یہی طے ہوا تھا۔"

دو گھنٹے بعد وہ جیل کی سلاخوں سے لگے ملاقات کر رہے تھے۔

"آخر یہ سب کیا ہے جمشید؟" پروفیسر داؤد غمگین آواز میں بولے۔

"بات ثابت ہو گئی ۔ یہ سازش انشارجہ کی ہے ۔ اسی کی ہدایات پر عمل ہو رہا ہے ۔ انشارجہ چاہتا ہے ۔ کہ اس حادثے کی تحقیقات نہ ہو سکیں ۔ اسے صرف ہماری یا انسپکٹر کامران مرزا کی طرف سے یہ خطرہ تھا کہ ہم حکومت کی پابندی کے باوجود اس کام سے باز نہیں آئیں گے ۔ لہٰذا اس کے اشارے پر ہمیں جیل میں ڈال دیا گیا ۔ میرا خیال ہے ۔ انسپکٹر کامران مرزا وغیرہ بھی اس وقت تک جیل میں پہنچائے جا چکے ہوں گے۔"

"تمہارا خیال غلط نہیں ہے جمشید ۔ بلکہ انھوں نے تو شوکی برادرز کو بھی نہیں چھوڑا۔"

"کیا!!" وہ چونک اٹھے۔

"ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ حکومت شوکی برادرز سے بھی کوئی

http://www.pakfunplace.com

خطرہ محسوس کر سکتی ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"سوال یہ ہے جمشید۔ کہ ہم کیا کریں؟"

"کچھ بھی نہیں۔ بس صبر کریں۔ اور وقت کا انتظار کریں۔ آخر کب تک یہ ہمیں جیل میں دیکھیں گے۔"

"پھر بھی جمشید۔ جیل آخر جیل ہے۔" خان رحمان بولے۔

"کوئی پروا نہ کریں۔"

"ہمیں انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز سے ملاقات کے لیے بھی جانا پڑے گا، ورنہ وہ کیا سوچیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ ان سے بھی مل لیں۔"

"کیا ہم تم لوگوں کی رہائی کے لیے دوست ملکوں سے رابطہ نہ قائم کریں۔ اگر میں چاہوں تو ہماری حکومت پر جیسیوں اسلامی ملک زبردست قسم کا دباؤ ڈالیں گے کہ تم لوگوں کو فوراً رہا کیا جائے۔"

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ حکومت جو کرنا چاہتی ہے۔ کرلے۔ جب اُن کا اطمینان ہو جائے گا تو وہ ہمیں خود بخود رہا کر دیں گے۔"

"اچھا جمشید۔ جیسے تمہاری مرضی۔"



پورے ایک ماہ بعد دروازے کی گھنٹی بجی۔ بیگم جمشید اچھل پڑیں۔

کے منہ سے نکلا:

"وہ آ گئے۔"

اور پھر خان رحمان نے دوڑ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ اور فیسر داؤد بیگم جمشید کی دلجوئی کے خیال سے وہاں آئے تھے۔ چاروں ان سے لپٹ گئے، پھر پروفیسر داؤد سے ملے اس کے بعد باورچی خانے کی طرف چلے گئے۔ ان کی آنکھوں آنسو بہ نکلے:

حکومت کا یہ ظلم یاد رہے گا جمشید۔" خان رحمان نے روتے کہا۔

"تم نے اس ملک کے لیے کیا نہیں کیا۔ اور کیا ملا؟" پروفیسر بولے۔

ایسا بھی ہوتا ہے۔ ارے ہاں۔ ہمیں اس طرف کی بھی خبر لینی چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور انسپکٹر کامران مرزا کے گھمانے لگے۔ دوسری طرف سے انہی کی آواز سنائی دی:

"تو آپ بھی گھر پہنچ گئے ہیں۔"

"ہاں انسپکٹر جمشید۔ اور شوکی برادرز کو بھی رہا کر دیا گیا ہے۔ میں نے ابھی ابھی انہیں فون کیا ہے۔ اور اب آپ کو کرنے ہی والا تھا کہ ادھر سے ہو گیا۔"

"چلیے۔ شکر ہے اللہ کا۔" وہ بولے۔

"ہماری اطلاعات کے مطابق۔ عدد کے تباہ شدہ جہاز ک[illegible] ملبہ اس میدان سے مکمل طور پر صاف کر دیا گیا ہے۔ اور ا[illegible] سمندر میں پھینک دیا گیا ہے۔ جہاز کے پرواز کرنے سے پہلے [illegible] عملہ جہاز کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس کے بارے میں کسی کو بھی [illegible] معلوم نہیں کہ کہاں گیا۔ یا اس کا کیا انجام ہوا۔"

"اس کا مطلب ہے۔ حادثے کی تحقیقات کے تمام راستوں کو بند کر دیا گیا ہے۔ اور اب ہم شاید کچھ بھی نہیں کر سکتے" انسپکٹر جمشید نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"ہاں! ہم سوائے صبر کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔" وہ بولے۔

"اچھا۔ اللہ مالک ہے۔" انھوں نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا ا[illegible] ان کی طرف مڑے:

"حالات اس قسم کے ہیں کہ ہمیں اس حادثے کو ذہن سے نک[illegible] دینا چاہیے۔ اور اب پھر ہمیں اس سوال پر غور کرنا ہوگا کہ کیا کریں گے؟"

"پرائیوٹ جاسوسی ادارہ چلائیں گے۔ ایک ماہ پہلے ہم [illegible] پروگرام طے کر رہے تھے کہ سرکاری بلاوا آ گیا۔"

"اور اگر حکومت کی طرف سے پھر اپنا عہدہ سنبھالنے کی پیش کش کی گئی تو؟" پروفیسر بولے۔



[illegible] ل الاال۔ ہم ایسا نہیں کریں گے۔ اگر کبھی حالات میں تبدیلی [illegible] ہوئی تو پھر دیکھیں گے۔ اب تو میرا بھی یہی خیال ہے [illegible] پرائیوٹ ---۔"

"[illegible]۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

اور ان کے چہروں پر مسکراہٹیں دوڑ گئیں۔ عین اسی وقت [illegible] کی گھنٹی بجی۔ محمود نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور [illegible] اٹھ کر دروازے کی طرف چلا۔

"گھنٹی خطرے کی محسوس ہوتی ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"تمہارا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"[illegible] تو خیر ٹھیک ہے۔ میرا اندازہ ہے۔ ابا جان کا تو نہیں ہے" [illegible] مسکرائی۔

اسی وقت دروازہ کھل گیا اور ایک آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"ہم۔ مجھے انسپکٹر جمشید صاحب سے ملنا ہے۔"

"آپ کی تعریف؟"

"مجھے فرناش کہتے ہیں۔"

"کیا نام بتایا؟" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جی۔ فلک شیر فرناش۔" اس نے کہا۔

"گویا اب آپ نے اپنا پورا نام بتایا ہے؟"

"ہاں! فرناش میری ذات ہے۔"

"یہ ذات شاید پہلی بار ہی سننے میں آئی ہے۔"

"نہ جانے کتنی ذاتوں کے نام آپ نے نہیں سنے ہوں
باہر سے کہا گیا۔

"تشریف لے آئیں۔" محمود نے اسے راستا دیا اور ڈرائنگ
میں لے آیا۔ اب وہ پھر صحن میں آیا اور سوالیہ نظروں سے
کی طرف دیکھا:

"ٹھیک ہے۔ تم بیٹھو! میں دیکھتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید یہ
اٹھے اور ڈرائنگ روم کی طرف چلے گئے۔

"نہ جانے کیا بات ہے۔ میں شدید اُلجھن محسوس کر رہی
فرزانہ بڑبڑائی۔

"بات کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ تمہاری عادت ہے۔" فا
جل کر کہا۔

"انکل۔ اب آپ تیاری کریں۔" محمود بولا۔

"کس بات کی تیاری۔ لڑائی وڑائی کی؟" وہ گھبرا کر بولے

"جی۔ جی نہیں۔ پرائیویٹ جاسوسی ادارے کی۔"

"اوہ۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں چند دنوں میں باقاعدہ
ترتیب دے دوں گا۔ اور ہم لوگ اس میں بیٹھے کیس حل
کر رہے ہوں گے۔" خان رحمان نے مسکرا کر کہا۔

"اور آپ اس ادارے کے کیا ہوں گے؟" فاروق بولا۔



"ہیں۔ یعنی کہ میں۔" خان رحمان ہکلائے۔

"چلیے خیر۔ میں بتا دیتا ہوں۔ آپ اس ادارے کے منیجر
ہوں گے۔"

"اوہ۔ یہ۔ یہ ٹھیک...."

اسی وقت انھوں نے انسپکٹر جمشید کو آتے دیکھا۔ ان کے
چہرے پر شدید اُلجھن نظر آ رہی تھی۔

# اوہو ... یہ کیا

"خیریت تو ہے جمشید؟" خان رحمان دبی آواز میں بولے۔
"ہاں ہے تو خیریت ہی، لیکن ملاقاتی اور ملاقاتی کی کہانی
مجھے الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔"
"وہ کیا چاہتا ہے؟"
"اس کی خواہش ہے، ہم اس کے ساتھ چلیں اور اس
معاملہ حل کریں۔"
"لیکن ابا جان! اسے کیسے معلوم ہو گیا کہ ہم نے پرائیو
طور پر لوگوں کے کیس حل کرنے کا پروگرام بنا لیا ہے۔" فاروق
کے لہجے میں حیرت تھی۔
"یہ بات اسے معلوم نہیں۔ اس بے چارے کو تو یہ
معلوم نہیں کہ ہم سیدھے جیل سے چلے آ رہے ہیں۔"
"آپ اسے بے چارہ کہہ رہے ہیں۔"
"ہاں! شاید میں غلط کہہ گیا۔ خیر ہم اس کے ساتھ جا



گے۔" انھوں نے کہا۔
"آخر اس کی کہانی کیا ہے؟"
"کہانی سنانے میں کچھ وقت تو ضرور لگ جائے گا۔ اس سے
بہتر ہے کہ ہم روانہ ہو جائیں۔ میں ابھی آیا۔"
یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔ انھوں نے حیران ہو
کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
"معلوم ہوتا ہے۔ معاملہ کچھ زیادہ ہی پُر اسرار ہے۔ ورنہ
ابا جان اپنے کمرے میں نہ جاتے۔" فرزانہ بولی۔
"کیا مطلب؟" پروفیسر داؤد چونکے۔
"وہ ضرور پستول لینے گئے ہیں۔"
"ہائیں۔ تو کیا مہم خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔" خان رحمان نے
جلدی سے کہا۔
"خیال یہی ہے۔" محمود مسکرایا۔
"کوئی بات نہیں۔ میرا پستول پہلے ہی میری جیب میں ہے۔"
"اور میرے پاس پستول سے زیادہ مفید کچھ چیزیں ہیں۔"
"انکل! ایسی کچھ چیزیں اب آپ ہمیں بھی بنا دیں۔ پرائیویٹ
جاسوس ایسی چیزوں کے زیادہ ضرورت مند ہوتے ہیں۔"
"ضرور بنا دوں گا۔" وہ بولے۔
اسی وقت انسپکٹر جمشید آتے نظر آئے۔

"کیا جانے کا پروگرام ہے پروفیسر صاحب؟" وہ بولے۔

"وہ - کچھ چیزیں - جو پستول سے بھی زیادہ مفید ثابت ہو
ہیں - ویسے جمشید - کیا تم اپنے کمرے سے پستول لینے کے
لیے گئے تھے؟"

انسپکٹر جمشید نے فوراً ان تینوں کی طرف دیکھا:

"یہ بات ان میں سے کسی نے بتائی ہوگی؟"

"ہاں! بالکل!"

"ٹھیک ہے - میں ان صاحب کے ساتھ جانے سے پہلے یہ
سمجھتا ہوں کہ پستول لے لیا جائے۔"

"اور ہم ابا جان - بغیر پستول کے جائیں؟"

"ہاں! ایک ہی پستول کافی ہو جائے گا۔ اور ہو سکتا ہے
کی بھی ضرورت نہ پڑے۔"

"تو پھر بسم اللہ کیجیے۔"

وہ ملاقاتی کو لے کر باہر نکلے - ملاقاتی اپنی کار میں
تھا - انھوں نے اسے آگے چلنے کا اشارہ کیا - وہ کچھ
بغیر اپنی کار میں بیٹھ گیا - انھوں نے خان رحمان کی
رخ کیا - انسپکٹر جمشید کے اشارے پر خان رحمان نے
ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی - ایسے میں محمود بولا:

"اب تو کہانی سنانے میں وقت ضائع نہیں ہوگا؟"



انسپکٹر جمشید مسکرا دیے اور بولے:

"ہاں ٹھیک ہے - اب کوئی حرج نہیں - مسٹر فراش کا کہنا ہے
کہ ایک ہفتہ پہلے اس کے گھر ایک مہمان آیا تھا - جس دن سے وہ
آیا - عجیب و غریب باتیں ہو رہی ہیں۔"

"عجیب و غریب باتیں؟" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! جس روز وہ آیا - اسی روز ڈاک کے ذریعے ہمارے
ملاقاتی کو ایک رجسٹرڈ لفافہ ملا - اس لفافے میں سے پانچ ہزار
روپے کا ایک ڈرافٹ نکلا - جو ملاقاتی کے نام کا تھا، لیکن
لفافے میں کوئی خط نہیں تھا - نہ کوئی پتا ہی درج تھا -
اس نے ڈرافٹ اپنے بنک میں جمع تو کرا دیا، لیکن شدید قسم کی
الجھن میں مبتلا ہو گیا - پندرہ دن گزر چکے ہیں - ابھی تک یہ معلوم
نہیں ہو سکا کہ ڈرافٹ کس نے بھیجا تھا اور کیوں - اس دوران کئی
اور عجیب باتیں بھی ہو چکی ہیں۔"

"اور وہ کیا؟"

"ہمارے ملاقاتی کے گھر میں بالکل اتفاقی طور پر ایک تہ خانہ
دریافت ہوا ہے - اس تہ خانے میں کچھ بہت ہی پرانی اور قیمتی
چیزیں موجود ہیں، لیکن جس طرح تہ خانہ ملا ہے - پہلے وہ سن
لو - ہمارے ملاقاتی کا مہمان باغ میں ٹہل رہا تھا - اس کے
ہاتھ میں اس کے گلے کی سنہری زنجیر تھی - جو سونے کی تھی -

This Book Must Be Returned

بے خیالی میں وہ اس کو انگلی پر گھمانے لگا — اچانک زنجیر انگلی سے نکل گئی اور باغ کی زمین کے سوراخ میں جا گری — مہمان نے کسی تنکے کی مدد سے اسے نکالنا چاہا! تو وہ اور نیچے چلی گئی — اب اس نے چاقو کی مدد سے کوشش کی، لیکن وہ سوراخ تو بہت ہی گہرا تھا، لہٰذا مہمان نے ہمارے ملاقاتی کو بلایا اور زنجیر کے بارے میں بتایا — مہمان کدال لے آیا — لیکن سوراخ بہت گہرا تھا — اس لیے گھر کے ملازم کو بلانا پڑا — کھدائی شروع ہو گئی — اور اس طرح تہ خانہ مل گیا۔"

"کمال ہے۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! کمال تو واقعی ہے — گویا چند دن کے اندر ہمارا ملاقاتی پانچ ہزار روپے اور ایک تہ خانہ کا مالک بن گیا۔"

"حیرت ہے — اس مہمان کو تو مجھے بھی اپنے گھر لا کر رکھنا چاہیے" خان رحمان جلدی سے بولے۔

"پھر آپ بھی ہمارے پاس آئیں گے اور اپنے مہمان کی پُراسرار کہانی سنائیں گے۔" محمود مسکرایا۔

"ہم — میں وعدہ کرتا ہوں — نہیں بلاؤں گا تم لوگوں کو۔" خان رحمان ہنسے۔

"لیکن انکل — آپ کے پاس تو پہلے ہی بے تحاشہ دولت ہے — مزید حاصل کر کے کیا کریں گے۔" فرزانہ بولی۔



"ہاں! یہ تو ہے۔ لیکن — نہ جانے — یہ دولت کیا شے ہے — جتنی بھی ہو — کم ہی محسوس ہوتی ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

"خیر — ہم اچھی طرح جانتے ہیں — آپ دولت جمع کرنے کے چکر میں نہیں رہتے — یہ اور بات ہے کہ دولت آپ کے چکر میں رہتی ہے۔"

"اچھا — ان دو واقعات کے علاوہ جمشید۔" پروفیسر بے تابانہ بولے۔

"ایک واقعہ اور بھی ہوا ہے — اور سچ تو یہ ہے کہ اسی واقعے نے ہمارے مہمان کو پریشان کیا ہے۔"

"اور وہ کیا ابا جان؟" محمود نے بے چین ہو کر کہا۔

"مہمان نے ہمارے ملاقاتی کو اپنی ایک انگوٹھی دی — اور اس سے کہا کہ اسے فروخت کر آئیں — ہمارے ملاقاتی نے کہا بھی کہ اگر پیسوں کی ضرورت ہے تو ان سے لے لیں، لیکن اس نے یہ بات پسند نہیں کی۔ لہٰذا ہمارے ملاقاتی کو انگوٹھی بیچنے کے لیے جانا پڑا — وہ اپنے واقف اور ایمان دار جوہری کے پاس گیا — اور انگوٹھی اسے دکھائی، جوہری نے پہلے تو انگوٹھی کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا اور پھر اس کی طرف دیکھا اور بولا:

"اس انگوٹھی کی قیمت بیس ہزار روپے سے کم نہیں — یہ ہیرے کی ہے۔"

"اوہ! ہمارا ملاقاتی دھک سے رہ گیا — وہ تو اسے پتھر کی

عام انگوٹھی خیال کر رہا تھا۔ اس نے انگوٹھی کی قیمت لی اور گھر آ گیا۔ مہمان نے صرف پانچ ہزار روپے ان میں سے لیے اور باقی ملاقاتی کو دے دیے۔ یہ کہہ کر۔ کہ یہ آپ کے لیے میری طرف سے تحفہ ہے۔"

"واہ!" فاروق بوکھلا اٹھا۔

"ہاں! اب ہمارا ملاقاتی پریشان ہوئے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔ وہ ہمارے پاس دوڑا آیا۔" انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"ابھی تک ایک بات کی وضاحت نہیں ہوئی۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"وہ کون سی؟"

"یہ کہ مہمان کہاں سے آیا؟ کیوں آیا؟"

"ہاں! یہ بات میں نے ملاقاتی سے پوچھی تھی۔ تم بھی سن لو۔ مہمان اس کے ایک گہرے دوست کا خط لے کر آیا تھا۔ اس کا دوست بھی دوسرے شہر میں رہتا ہے۔"

چند لمحے کے لیے گاڑی میں خاموشی طاری رہی، پھر انسپکٹر جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا:

"لیکن اب۔ ملاقاتی بہت پریشان ہے۔"



"اور کیوں۔ کیوں پریشان ہے وہ؟" فاروق نے جلدی سے پوچھا۔

"کئی دن پہلے کی بات ہے۔ رات کے وقت اس کی آنکھ کھل گئی۔ کچھ دیر تک تو یہ دوبارہ سونے کی کوشش کرتا رہا۔ اچانک اسے آہٹ سنائی دی۔ آہٹ مہمان کے کمرے کی طرف سے آئی تھی۔ یہ اٹھ کر مہمان کے کمرے کی طرف گیا تو وہ اندر نہیں تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ اس پر ملاقاتی کو تہ خانے کا خیال آیا۔ وہ فوراً باغ میں گیا۔ باغ میں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ مہمان کے کمرے کی باغ والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی گویا وہ باغ میں کودا تھا۔ ملاقاتی کے قدم خود بخود تہ خانے کے راستے کی طرف اٹھنے لگے۔ راستے پر ایک لکڑی کا تختہ رکھا گیا تھا، لیکن اب وہ تختہ دوسری طرف سرکا ہوا تھا۔ تہ خانے میں ٹارچ کی روشنی لہرا رہی تھی۔ ملاقاتی خوف زدہ ہو کر دبے پاؤں اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ اب [illegible] کہاں آ[illegible] تھی۔ دن نکلنے تک مہمان کی واپسی نہیں ہوئی۔ دن نکلا تو اس نے باغ میں جا کر دیکھا۔ تہ خانہ جوں کا توں تھا، لیکن اس میں مہمان نہیں تھا۔ اور نہ ہی مہمان اپنے کمرے میں تھا۔"

"جی۔ کیا مطلب؟"

"مہمان غائب ہے۔ اس کا کہیں پتا نہیں۔"

"اوہ۔" وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

اسی وقت اگلی کار ایک کوٹھی میں داخل ہوتی نظر آئی:

"حد درجے حیرت انگیز کہانی ہے۔ مارے سسپنس کے میرا تو برا حال ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اور یہ سسپنس جلد ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔" محمود بڑبڑایا۔

"کوئی بات نہیں۔ ہمیں بھی ایسی کیا جلدی ہے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

اور پھر وہ بھی کوٹھی میں داخل ہو گئے۔ ملاقاتی کار سے اتر چکا تھا۔ اور ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ بھی باہر نکلے:

"سب سے پہلے ہم تہ خانہ دیکھنا پسند کریں گے مسٹر فرناش۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی بہتر!" اس نے کہا اور باغ کی طرف مڑ گیا۔

سب لوگ تہ خانے کے نزدیک پہنچے۔ چند لمحے تک بغور جائزہ لینے کے بعد انسپکٹر جمشید بولے:

"اس میں تو پرانے زمانے کی چیزیں بھری ہوئی ہیں۔ اور آپ نے کہا تھا۔ خزانہ۔"

"جی ہاں! یہ بھی خزانہ ہی ہے۔ جب میں ان چیزوں کو فروخت کروں گا تو ایک خزانے جتنی دولت حاصل ہو جائے گی۔"

"تو آپ کا مہمان رات اس تہ خانے میں تھا اور شاید یہیں سے وہ غائب ہو گیا۔"



"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"تب ہمیں اس میں اتر کر دیکھنا ہوگا۔ آئیے بھئی۔" انھوں نے کہا اور تہ خانے کی سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔

پرانے زمانے کی ان گنت چیزیں اس تہ خانے میں اُلٹی پڑی تھیں۔ وہ حیرت بھری نظروں سے ان کو دیکھنے لگے۔ ان میں گھریلو استعمال کی قریب قریب ہر چیز تھی۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آپ کے مہمان کو ان چیزوں میں کسی خاص چیز کی تلاش تھی۔ اسے کسی ذریعے اس تہ خانے کے بارے میں معلوم ہوا ہوگا۔ خیر۔ ہم یہ معلوم کریں گے کہ وہ کون تھا، کہاں چلا گیا اور تہ خانے سے کیا لے گیا۔ آپ ان چیزوں کو ابھی جوں کا توں رہنے دیں۔"

"جی بہتر!"

وہ تہ خانے سے نکلنے کے لیے مڑے ہی تھے کہ فرزانہ چلا اٹھی

"اوہو۔ یہ۔ یہ کیا؟"

# پہلا پہلا کیس

انسپکٹر کامران مرزا کے پرائیویٹ دفتر کے دروازے پر ایک آدمی نمودار ہوا:

"انسپکٹر کامران مرزا سراغ رساں کمپنی؟" اس نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں! تشریف لائیے۔" آصف مسکرا کر بولا۔

بیرونی کمرے میں وہ تینوں اپنی اپنی میز پر بیٹھے تھے۔ اندرونی کمرے میں انسپکٹر کامران مرزا موجود تھے۔ وہ اندر آ کر آصف کی میز کی طرف بڑھا۔ اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

"فرمائیے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"کیا آپ انسپکٹر کامران مرزا ہیں؟"

"نہیں جناب۔ میں تو ابھی بچہ ہوں۔" اس نے کہا۔

"تو پھر۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کو پہلے بات بتانا ہو گی۔ اگر معاملہ ہمارے بس کا ہوا تو ہم خود آپ کا کام کریں گے۔ ہمارے بس سے باہر ہوا تو انھیں بتایا جائے گا۔ لہٰذا پہلے آپ بات بتائیں۔"



"ایک شخص ہے۔ نامعلوم شخص۔ وہ مجھ سے کوئی پر اسرار کام لینا چاہتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس کا خط مجھے ملا ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ اگر میں نے اس کا کام نہ کیا تو وہ میرے بچے کو اغوا کرلے گا اور جان سے مار ڈالے گا۔"

"ارے باپ رے۔ اتنی خوف ناک دھمکی۔ خیر۔ آپ پر اس دھمکی کا کیا اثر ہوا؟" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"بس یہی۔ کہ میں آپ کے پاس آگیا۔ میں نے آپ کا اشتہار اخبار میں پڑھا تھا اور بہت حیرت ہوئی تھی۔"

"حیرت۔ کس بات پر جناب؟" فرحت نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"اس بات پر کہ۔ آپ لوگ تو خالص سرکاری تھے۔ یہ پرائیویٹ۔"

"اس کا جواب صرف یہ ہے کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ آپ بات بتائیے۔" آصف نے منہ بنایا۔

"بات۔ بات تو میں بتا چکا ہوں۔" وہ بولا۔

"اچھا۔ کمال ہے۔ خیر۔ ہو گی یہی بات۔ لیکن وہ نامعلوم شخص

آپ سے کام کیا لینا چاہتا ہے؟"

"میں ایک سرکاری ملازم ہوں — محکمہ خارجہ میں ریکارڈ کیپر — وہ ایک فائل حاصل کرنا چاہتا ہے، لیکن اگر میں وہ فائل نکال کر اسے دے دیتا ہوں تو ملازمت سے نکال دیا جاؤں گا — صرف یہی نہیں — جیل بھی جانا پڑے گا۔" وہ کہتا چلا گیا۔

"ہاں! یہ تو ہے — پھر۔"

"دوسری طرف بچے کا معاملہ ہے — میرا ایک ہی لڑکا ہے، میں اس کی دھمکی کے بارے میں سوچ سوچ کر دبلا ہوا جا رہا ہوں، ان حالات میں مجھے یہاں آنے کی سوجھی۔"

"یوں کہیے — بہت دور کی سوجھی۔" آفتاب مسکرایا۔

"جی کیا مطلب — میں سمجھا نہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"کچھ — کچھ نہیں — اس نے کب تک فائل مانگی ہے — اور فائل کہاں پہنچانی ہے۔"

"آج رات فائل تو بجے میرے اپنے گھر میں ہونی چاہیے گھر سے حاصل وہ خود کرے گا — اگر فائل گھر میں نہ ملی تو بچے کو لے جائے گا۔"

"تب تو وہ بہت بے وقوف ہوا۔" آصف نے فوراً کہا۔

"وہ کیسے جناب؟"

"بھئی سیدھی سی بات ہے، آپ سیدھے پولیس اسٹیشن جائیں



اور وہ خط ان کے سامنے رکھ دیں۔"

"میں ایسا کر چکا ہوں۔"

"تب پھر۔"

"پولیس رات کو میرے گھر کے اندر اور باہر موجود ہوگی لیکن اس کے باوجود مجھے پولیس پر اعتماد نہیں — اس کے خط کے الفاظ سے بے پناہ یقین ٹپکتا ہے — اس نے لکھا ہے — تم پولیس تو کیا پوری فوج بھی بلا لوگے — لڑکے کو پھر بھی اغوا کر لیا جائے گا۔"

"ہوں — وہ خط کہاں ہے؟"

اس نے جیب سے خط نکال کر آصف کی طرف بڑھا دیا — اب آفتاب اور فرحت بھی اس کی میز پر آٹھ آئے — تینوں نے خط پڑھا، الفاظ وہی تھے — جو اس نے بتائے تھے — خط لکھنے والے نے اپنا نام سُرخ گلاب لکھا تھا۔

"سُرخ گلاب۔" ان کے منہ سے نکلا، پھر فرحت تیزی سے اندرونی کمرے میں داخل ہوئی — انسپکٹر کامران مرزا کے چہرے پر مسکراہٹ تھی — وہ فوراً بولے:

"نہیں فرحت۔"

اور فرحت باہر نکل آئی —

"انکل سُرخ گلاب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"جی — کیا مطلب؟" ملاقاتی چونکا۔

"یہ بھلا میں نے آپ سے نہیں — ان سے کہا ہے۔" فرحت نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔

"کوئی بات نہیں — ہم رات کے آٹھ بجے آپ کے گھر موجود ہوں گے اور مُسرخ گلاب سے دو دو ہاتھ کریں گے۔" آصف بولا۔

"شکریہ جناب۔" وہ خوش ہو گیا۔

"اور فائل — کہاں ہے؟"

"میں نے اس فائل کو دفتر سے نہیں نکالا — اپنے آفیسرز کو بھی خط دکھا چکا ہوں۔"

"یہ آپ نے اچھا کیا — اب صرف ایک بات رہ گئی اور وہ یہ کہ ہم آپ کے گھر تک اپ میں آئیں گے، کیوں کہ ان دنوں ہمارے تعلقات پولیس سے کچھ خوش گوار نہیں ہیں۔"

"ہاں! میں سمجھتا ہوں — لیکن ہم آپ کو کیسے پہچانیں گے؟"

"ہمارے ناموں سے — وہ ہم ابھی بتا دیتے ہیں — ہمارے نام شکیل، عقیل اور عاصمہ ہوں گے۔"

"شکریہ — کیا اب مجھے اجازت ہے؟"

"جی نہیں — ابھی معاوضے کی بات رہتی ہے — ہم جان چکے ہیں کہ آپ ایک ملازم پیشہ آدمی ہیں، لمبی چوڑی فیس نہیں دے سکیں گے، جب کہ ایسے سامان جان جوکھوں کے ہوتے ہیں اور معاوضے بہت لمبے چوڑے وصول کیے جاتے ہیں، پھر



بھی ہم آپ سے خاص رعایت کرتے ہوتے — چونکہ اور صرف محبت سے یہ کیس حل کریں گے۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی — اس طرح تو چل چکا ادارہ۔" آصف نے منہ بنا کر کہا۔

"چلو خیر کوئی بات نہیں — پہلا پہلا کیس ہے۔" آفتاب مسکرایا۔

"میں آفتاب سے پوری طرح اتفاق کرتی ہوں۔" فرحت فوراً بولی۔

"اور ہاں! آپ نے اب تک اپنا نام پتا تو بتایا ہی نہیں — ہم کہاں آئیں گے؟" آصف کو اچانک یاد آیا۔

"لکھ لیجیے — خالد درانی، ۲۰۹ صبا روڈ۔"

اور وہ اٹھ کر چلا گیا — اب تینوں اندرونی کمرے میں آ گئے:

"اس پہلے کیس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے انکل؟" آصف بولا۔

"خاص تم تینوں کا ہے — میری کوئی ضرورت نہیں — ویسے ضرورت محسوس کرو، تو فون کر دینا — اس بے چارے کا بچہ محفوظ رہنا چاہیے۔" وہ بولے۔

"ہماری کوشش یہی ہو گی — باقی جو اللہ کو منظور۔"

"پولیس وہاں موجود ہے — اس کی موجودگی میں مجرم کس طرح آ سکے گا۔" فرحت بڑبڑائی۔

"آج کل کے مجرم بہت ماڈرن ہو گئے ہیں — کسی نہ کسی

طرح آ ہی جائے گا۔" آفتاب نے فوراً کہا۔

"اور میں فائل کے لیے بھی فکر مند ہوں — خیر — آؤ — میں تینوں کا میک اپ کر دوں۔"

"ہم خود کر لیں گے انکل۔"

"نہیں بھئی! میں چاہتا ہوں — میک اپ خاص ہو — کہ کسی سے کوئی پہچان نہ سکے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" انھوں نے ایک ساتھ کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

ٹھیک آٹھ بجے وہ خالد درّانی کے دروازے پر پہنچ — وہاں واقعی پولیس موجود تھی — دروازے پر موجود کانسٹیبلوں نے انھیں گھور کر دیکھا:

"کون ہو تم؟"

"ہم خالد درّانی صاحب کے مہمان ہیں۔"

"آج کے دن — ان کے گھر میں کوئی مہمان داخل نہیں ہو سکتا۔" ایک کانسٹیبل بولا۔

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب — ہم تو بہت فاصلے سے آئے ہیں — اور ہماری آمد کی انھیں پہلے سے خبر ہے۔" آصف نے برا مان کر کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو ہم مسٹر خالد کو بلاتے ہیں — یہیں کھڑے



رہو۔" دوسرا کانسٹیبل بولا اور اندر چلا گیا۔

تینوں مسکرا دیے — پولیس والے ہمیشہ اپنی عقل سے کام لیتے ہیں — کانسٹیبل کو اندر جانے کی ضرورت نہیں تھی — بس وہ گھنٹی بجا دیتا۔

ایک منٹ بعد خالد درّانی آتا نظر آیا — فرحت نے فوراً چہک کر کہا:

"آہا — انکل درّانی — اپنے بھتیجوں شکیل، عقیل اور عاصم سے ملیے۔"

وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر ان کی طرف بڑھا — اور پھر اس نے پولیس کانسٹیبلوں سے کہا:

"یہ میرے جانے پہچانے عزیز ہیں — ان پر کسی قسم کا شک نہیں کیا جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے — آپ انھیں لے جائیں۔"

اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی، ساتھ ہی سخت لہجے میں کہا گیا:

"ٹھہرو! کیا معاملہ ہے؟"

وہ چونک کر مڑے — ایک پولیس انسپکٹر کھڑا انھیں گھور رہا تھا:

"یہ — یہ لوگ سر — درّانی صاحب کے مہمان ہیں۔"

"اوہ — تب تو یہ اندر نہیں جا سکتے۔"

"اندر تو ہم جائیں گے جناب۔" آصف نے منہ بنایا۔

"مسٹر خالد۔ آپ انہیں صورتِ حال سمجھا دیں۔" انسپکٹر نے منہ بنا کر کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے سر۔ یہ میرے مہمان ہیں۔ اور میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"آپ بھول رہے ہیں۔" انسپکٹر مسکرایا۔

"بھول رہا ہوں، لیکن کیا؟" خالد درّانی نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ لوگ میک اپ میں بھی تو ہو سکتے ہیں۔ پہلے مجھے ان کے چہرے چیک کر لینے دیں۔" اس نے کہا۔

خالد درّانی دھک سے رہ گیا۔ اور وہ تینوں دل ہی دل میں مسکرا دیے۔ میک اپ اناڑی ہاتھوں کا کیا ہوا نہیں تھا۔ آصف نے فوراً کہا:

"یہ بہت اچھی بات ہے۔ ہمیں پسند آئی۔ احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے۔ آپ ضرور ہمارے چہروں کو چیک کریں۔"

انسپکٹر نے انہیں گھور کر دیکھا۔ شاید اس کا خیال تھا کہ یہ بات سن کر وہ گھبرا جائیں گے، لیکن ان کے چہروں پر اطمینان ہی اطمینان تھا۔

انسپکٹر نے ان تینوں کے چہروں کو چیک کیا اور مایوس ہو کر بولا:



"ٹھیک ہے۔ آپ انہیں لے جا سکتے ہیں۔ لیکن اب میں بھی اندر رہوں گا۔"

"ضرور جناب۔ کیوں نہیں۔ بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" خالد درّانی نے فوراً کہا۔

اور وہ اندر داخل ہو گئے۔ برآمدے میں انہیں دس بارہ سال کا ایک لڑکا کھڑا نظر آیا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ خوف کے آثار تھے۔

"ابو۔ یہ کون لوگ ہیں ابو؟" اس نے گھبرا کر خالد درّانی سے پوچھا۔

"بیٹے یہ انسپکٹر صاحب ہیں۔" خالد درّانی نے جلدی سے کہا۔

"میں ان کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔" لڑکے نے ان تینوں کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا مطلب۔ آپ تو کہہ رہے تھے۔ یہ آپ کے جانے پہچانے لوگ ہیں؟" انسپکٹر نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں! اس میں کیا شک ہے۔ یہ دراصل میرے ایک دوست کے بچے ہیں، لیکن یہاں پہلی مرتبہ آئے ہیں۔ مطلب میرے بیوی بچے نے انہیں پہلے نہیں دیکھا ہوا۔" خالد درّانی نے وضاحت کر دی۔

"ہوں! خیر۔ ٹھیک ہے۔ آپ اپنے مہمانوں کو اندر ۔۔
چلیں۔ میں ذرا اندرونی حصوں کو چیک کر لوں۔" انسپکٹر نے
جلدی کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔"

انسپکٹر واپس مڑ گیا اور وہ انھیں لیے ایک اندرونی کمر
میں آ گئے۔

"تھانے دار کافی تیز ہے۔" خالد درانی نے کہا۔

"ہاں! لگتا تو ہے۔ ہم پہلے آپ کے پورے مکان
جائزہ لیں گے۔ اوپر سے نیچے سے۔ تاکہ معلوم ہو سکے
کس طرف سے آ سکتا ہے۔"

"پہلے آپ چائے تو پی لیں۔"

"جی نہیں۔ یہ کام کا وقت ہے۔ ہم اس وقت چائے
پی سکتے۔" آصف نے منہ بنا کر کہا۔

"حیرت ہے۔ پولیس والوں نے تو چائے کی دعوت فو
قبول کر لی تھی۔"

"انھی باتوں کی وجہ سے تو پولیس والے ناکامیوں کا
دیکھتے ہیں۔"

انھوں نے اپنے طور پر پورے مکان کو دیکھا
چھت پر ایک سمت سے مجرم آ سکتا تھا۔ انھوں نے ا



ے اس کے آنے کا راستا بند کر دیا۔ باقی سب
ٹھیک محسوس ہوا اور وہ واپس اسی کمرے میں آ گئے۔ اتنے
تھانے دار بھی آ گیا:

"درانی صاحب! میرے خیال میں انتظامات بہت اعلیٰ
کے ہیں۔ یہاں تو مجرم تو کیا۔ کوئی پرندہ بھی پَر
مار سکتا۔"

"رات کے وقت پرندے یوں بھی پَر نہیں مارا کرتے۔"

نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب؟"

"نہیں۔ یوں ہی ایک بات منہ سے نکل گئی۔" اس
بنا کر کہا۔

"تو درانی صاحب۔ میں نے فیصلہ کیا ہے۔ اب بقیہ
رات آپ لوگوں کو اپنی نظروں کے سامنے رکھوں گا۔
ایک مسئلہ ہے۔ چائے کے بغیر جاگ نہیں سکتا۔ لہٰذا
کافی مقدار میں چائے بنوا لیں۔ ہم چائے بھی پیتے
گے اور باتیں بھی کرتے رہیں گے۔ اس طرح رات
جائے گی۔"

"بہتر۔ میں ابھی چائے بنواتا ہوں۔" خالد درانی یہ کہہ کر
سے نکل گیا۔

www.pakfunplace.com

اب انسپکٹر انھیں گھورنے لگا۔ آفتاب سے رہا نہ گیا، بیک

"خیر تو ہے جناب۔ ہمیں آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جا

کا پروگرام تو نہیں؟"

"ارے نہیں۔ ویسے آپ لوگ مجھے کچھ عجیب سے لگتے ہیں۔"

"مثلاً۔ ہم میں آپ کو کیا عجیب بات محسوس ہو رہی ہے

"پتا نہیں۔ میں وضاحت نہیں کر سکتا۔ اس وقت خا

صاحب کو جو پریشانی ہے۔ اس کے بارے میں آپ کو

پتا چلا؟"

"شام کے وقت۔ درّانی صاحب کے ذریعے۔" آفتاب

منہ بنا کر کہا۔

"ہوں خیر۔" اس نے کہا اور اونگھنے لگا۔

"آپ تو ابھی سے اونگھ رہے ہیں۔ اور رات ابھی تما

باقی ہے۔"

"بھئی۔ اسی لیے تو۔ میں نے چائے منگوائی ہے۔" وہ مسکرایا۔

آخر خالد درّانی چائے کے برتن اور چائے بھرے تین تھرم

لیے اندر داخل ہوا۔

"میرا خیال ہے۔ یہ چائے ہمیں بہت کافی ہو گی۔"

"ہاں بالکل۔ ایک ایک کپ ہم اسی وقت پییں گے۔" انسپ

نے فوراً کہا۔



اور خالد درّانی کپوں میں چائے انڈیلنے لگے۔

"ہمارے لیے نہیں۔ ہم اس وقت چائے نہیں پیتے۔"

"ارے صاحب۔ تمام رات جاگنا ہے۔" انسپکٹر نے یہ کہہ کر

اپنا کپ اٹھا لیا۔

"انسپکٹر صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" خالد درّانی مسکرایا۔

"اچھا خیر۔ یوں ہی سہی۔" آفتاب نے فوراً کہا۔ آصف اور

ت نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

ان کے سامنے بھی ایک ایک کپ رکھ دیا گیا۔ خالد درّانی

نے اپنے لیے بھی چائے لی۔ دونوں پینے لگے۔ انھوں نے کپوں کی

طرف ہاتھ تک نہ بڑھایا۔

"پی لیں بھئی۔" خالد درّانی بولے۔

آفتاب نے بھی کپ اٹھا لیا۔ ایسے میں اس نے کہا:

"نہ جانے کیا بات ہے۔ آج مجھے اپنی بلّی بہت یاد آ رہی ہے۔"

"بلّی۔ کیا مطلب؟" انسپکٹر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بلّی کا مطلب تو جناب۔ بلّی ہی ہوتا ہے۔" آفتاب بولا۔

"اوہ ہاں! بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن یہاں بلّی کی یاد کہاں

سے ٹپک پڑی؟" خالد درّانی بولے۔

"مسٹر خالد۔ آپ یہ چائے نہ پییں۔ ہم بھی نہیں پییں گے۔

ہاں انسپکٹر صاحب ضرور پی سکتے ہیں۔"

This Book Must Be Returned
to the YOUNGSTER'S Library

"کیا مطلب؟" خالد درانی اور انسپکٹر دھک سے رہ گئے۔

"ہاں جناب۔ پہلے ہم اس چائے کو چیک کریں گے، پھر آپ کو اور خود کو پینے کی اجازت دیں گے۔" آفتاب نے شوخ آواز میں کہا۔

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر نے چائے آفتاب کے چہرے پر انڈیل دی اور اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

آنکھیں کھلنے پر اُس نے دیکھا، انسپکٹر کمرے میں نہیں تھا۔



# نئی خبر

ان کے جانے کے بعد انسپکٹر کامران مرزا اٹھے اور ...ک اپ روم میں چلے گئے — باہر نکلے تو ایک سفید ... والے بوڑھے نظر آ رہے تھے — اب وہ اپنی ایک چھوٹی کار میں بیٹھے اور روانہ ہوئے — کار پر نمبر پلیٹ فرضی ... ہی وہ محکمہ خارجہ کی سامنے پہنچ گئے — انھوں نے کار ...ک گوشے میں کھڑی کی اور خود اس میں بیٹھے رہے — کچھ ...ال آنے پر وہ کار سے اترے اور عمارت سے دور رہتے ہوئے ...ور خود کو تاریکی میں رکھتے ہوئے عمارت کے گرد چکر لگانے لگے۔ ...ہی انھوں نے عمارت کا چکر لگا لیا — اب وہ پھر اپنی کار ...ں آ کر بیٹھ گئے — ایسے میں ایک کار تیزی سے آئی، اور ...ت کے عین دروازے پر رکی — اس میں سے ایک ...دمی اترا، اور جلدی سے دروازے کی طرف بڑھا — اس ...ے دروازے پر موجود نگران نے نہ جانے کیا کہا کہ

اس نے دروازہ کھول دیا اور اجنبی اندر داخل ہو گیا۔
"افسوس!" ان کے منہ سے نکلا۔

پانچ منٹ بعد وہی شخص پھر باہر نکلا۔ اب اس کے ہاتھ میں فائل موجود تھی۔ انسپکٹر کامران مرزا حیران رہ گئے۔ اجنبی کی کار ان کے پاس سے گزر گئی۔ اب وہ اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور رفتار مسلسل بڑھ چلے گئے۔ کیوں کہ اگلی کار پوری رفتار پر جا رہی تھی۔ انھیں حیرت تھی تو اس بات پر کہ آخر اس نے نگران سے کیا کہا تھا کہ اس نے اجنبی آدمی کو اندر داخل ہونے دیا۔ اور پھر فائل نکال لے جانے اجازت بھی دے دی۔ وہ اس پر حیران بھی ہو تھے اور کار بھی چلا رہے تھے۔ وہ کسی نہ کسی اگلی کار سے آگے نکل جانے کی کوشش میں تھے

آخر درمیانی فاصلہ کم ہونے لگا۔ شاید لے جانے والا ان سے زیادہ ماہر ڈرائیور نہیں تھا اور پھر ان کی کار اس کار سے آگے نکل گئی۔ ا وہ کار کو سڑک کے درمیان میں رکھ کر چلانے اور رفتار کم کرتے چلے گئے۔ پچھلی کار کو بھی کم کرنا پڑی۔ ساتھ ہی اس نے چیخ کر کہا:



"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ آپ راستہ کیوں نہیں دیتے؟"

"اس لیے کہ آپ سے دو دو باتیں کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا کار سے باہر نکل آئے۔

"دو دو باتیں۔ کون ہو تم؟" اس نے غرا کر کہا۔

"اس ملک کا خیرخواہ۔" ان کی آواز بدلی ہوئی تھی۔

"کیا چاہتے ہو؟"

"وہ فائل۔ جو تم اڑا کر لائے ہو۔"

"اوہ۔ لیکن نہیں۔ میں وہ فائل تمھارے حوالے نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے تو مجھے بہت پاپڑ بیلنا پڑے ہیں۔"

"اس سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں۔ کہ تم دفتر سے یہ فائل اڑا کیسے لائے۔ ان لوگوں نے تمھیں روکا کیوں نہیں؟"

"معلوم ہوتا ہے۔ تم بھی بہت کچھ جانتے ہو۔ خیر سنو۔ میں اس وقت محکمہ خارجہ کے سیکرٹری کے میک اپ میں ہوں۔ مجھے کس طرح روک سکتا تھا۔"

"اوہ۔ تو یہ بات ہے۔ خیر تم نے فوراً سچ بات اگل دی۔ گویا تم ایک صاف گو مجرم ہو۔ اب چوں کہ میں اس ملک کا خیرخواہ ہوں اور تم دشمن ہو، اس لیے

میں تمھیں جانے تو دوں گا نہیں، بہتر یہی ہے کہ فائل میرے حوالے کر دو، خود کو میرے ہاتھوں بندھوا لو اور میرے ساتھ پولیس اسٹیشن تک چلو۔"

"لیکن تم مجھے پولیس اسٹیشن کس طرح لے جاؤ گے۔ وہاں جا کر اپنے بارے میں کیا بتاؤ گے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب!" وہ زور سے چونکے۔

"میری معلومات بھی کم نہیں ہیں انسپکٹر کامران مرزا۔"

"ارے!" ان کے منہ سے نکلا۔ چہرے پر حیرت نظر آئی۔

"ہاں! پہلے یہ سوچ لو۔ وہاں جا کر کہو گے کیا۔ ظاہر ہے پولیس والے یہ ضرور پوچھیں گے کہ تم کون ہو۔"

"سوچ چکا ہوں۔ انھیں جواب دینا میرا کام ہے۔ تم اپنی بات کرو مسٹر۔" انسپکٹر کامران مرزا تیز آواز میں بولے۔

"تب تو مقابلہ ضروری ہو گیا۔ وہ بھی اس ویرانے میں۔ رات کے درمیانی حصے میں۔ جب کہ ہمیں لڑتے ہوئے دیکھنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔"

"ایک ذات ہے۔ جو یقیناً ہمیں لڑتے ہوئے دیکھ



انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"اب تم اپنے اللہ کی بات لے بیٹھے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"ایک دن تم بھی اس اللہ کے سامنے کھڑے ہو گے اور جواب دے رہے ہو گے۔"

"ہم ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتے۔"

"مرنے کے فوراً بعد یقین آ جائے گا۔" انھوں نے کہا۔

"تو پہلے مجھے مار ڈالو۔" اس نے کہا اور ان کی طرف لپکا۔

انسپکٹر کامران مرزا نے ایک لمحے کے لیے سوچا، انھیں زیادہ فکر فائل کی تھی۔ چنانچہ جونہی اس نے ان کی طرف چھلانگ لگائی۔ وہ جھکائی دے گئے۔ اب وہ ان کی ... کی طرف، وہ اس کی کار کی طرف لپکے۔ جونہی وہ ... ان کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔

"ہو کیا انسپکٹر کامران مرزا۔ بزدلی پر اتر آئے۔"

"اسے بزدلی نہیں۔ وقت کی نزاکت کا احساس کہیے۔ اس وقت فائل حاصل کرنا زیادہ ضروری ہے۔ پھر بھی۔"

"گویا تم یہ خیال کر رہے ہو کہ اس پستول کے ذریعے
فائل حاصل کر لو گے؟"

"ہاں کیوں نہیں — میں اس وقت ذرا بھی لحاظ نہیں کروں
گا۔" یہ کہتے ہی انھوں نے اس پر فائر جھونک مارا — نشانہ
دل کا لیا تھا — گولی اس کے سینے سے ٹکرائی — ساتھ ہی
اس نے ان پر دوسری چھلانگ لگائی اور ان سے اس بری
طرح ٹکرایا کہ وہ چاروں شانے چت گرے — وہ خود بھی ان
سے قدرے فاصلے پر گرا تھا، لیکن وہ فوراً اٹھنے میں کامیاب
ہو گیا — جب کہ ان کے حواس ابھی تک گم تھے۔

"بس بکر لی فائل حاصل — یہ لو، میں چلا۔"

یہ کہہ کر وہ ان کی کار کی طرف بڑھا — انھوں نے اٹھنے کی
کوشش کی لیکن اس سے پہلے کہ اٹھ سکتے، وہ ان کی کار میں بیٹھ
چکا تھا — انھوں نے ایک جھرجھری سی لی، اور اچھل کر کھڑے ہو
گئے — پھر بلا کی تیزی سے دشمن کی کار میں سوار ہوئے اور اس
کے تعاقب میں روانہ ہو گئے — دشمن اپنی کار بے فکری سے چھوڑ
گیا تھا، جس کا مطلب تھا کہ فائل اس میں نہیں تھی — وہ رفتار
برابر بڑھاتے چلے گئے — انھیں اس کے ٹکر مارنے کے انداز پر
حیرت ہو رہی تھی — اب وہ اچھی طرح جان چکے تھے کہ وہ
کوئی اناڑی آدمی ہرگز نہیں ہے — جلد ہی انھوں نے محسوس کیا



ان کا سر بری طرح چکرا رہا ہے — انھیں خوف محسوس ہوا کہ کہیں کار
ول سے باہر نہ ہو جائے — لیکن وہ کر ہی کیا سکتے تھے —
کا سلسلہ ختم کر دینے کا مطلب یہ تھا کہ فائل گئی —
ی کار اچانک بائیں طرف مڑ گئی — انھوں نے بھی موڑ کاٹا
کی سرخ لائٹیں انھیں اب مشکل سے نظر آ رہی تھیں —
ت ہارنا تو انھوں نے سیکھا ہی نہیں تھا — وہ برابر رفتار
تے رہے اور پھر انھیں چونکنا پڑا — اگلی کار ایک چوراہے
نظر آئی تھی — رفتار آہستہ کرتے کرتے وہ اس کے
پہنچ گئے، اور پھر انھیں رکنا پڑا، کیوں کہ ٹریفک پولیس
بلاک کر رکھا تھا — جونہی ان کی کار رکی — وہ پولیس والے
طرف چلے۔

"ڑی کے کاغذات دکھائیے —" لہجہ سخت تھا اور گاڑی ان کی
تھی —

"یہ میری گاڑی نہیں ہے — میری گاڑی وہ ہے — ایک چور
لے کر بھاگ نکلا تھا — میں نے اس کار میں اس کا
کیا — آپ خود دیکھ لیں — کار یہاں موجود ہے، اور وہ
ب ہے۔"

"جی نہیں، وہ غائب نہیں ہے — ہم نے اسے بھی پکڑ رکھا ہے۔"
نے ہنس کر کہا۔

"تب آپ مجھے اس کے سامنے لے چلیں — ابھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کار کس کی ہے۔"

"ہم کاغذات پہلے چیک کریں گے۔" کانسٹیبل نے جھلا کر کہا۔

"ہوں! خیر —" یہ کہہ کر انھوں نے گاڑی کا خانہ دیکھا، لیکن اس میں کاغذات نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

"اس میں کاغذات نہیں ہیں۔"

"اور کاغذات خود آپ کے پاس بھی نہیں ہیں۔"

"ہاں، اس لیے کہ یہ میری گاڑی نہیں ہے۔"

"اور یہ گاڑی — جس کو آپ اپنی گاڑی کہہ رہے ہیں؟"

"اس کے کاغذات اس میں موجود ہیں۔"

"یہ بھی غلط ہے۔" سارجنٹ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وہ کیسے؟" انھوں نے قدرے حیرت ظاہر کی۔

"اس میں بھی کاغذات نہیں ہیں۔"

"اچھا تو پھر میں کاغذات نکال دیتا ہوں۔" وہ نیچے اترتے ہوئے بولے۔

"ضرور — کیوں نہیں — لیکن خبردار — کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرنا — جیسے اس نے کی تھی۔"

"کیا مطلب — اس نے کیا کیا تھا؟" وہ چونکے۔

"تم ان باتوں کو چھوڑو — کاغذات دکھاؤ۔" سارجنٹ نے سخت



لہجے میں کہا۔

وہ مسکراتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف بڑھے — اور اس میں سے کار کے کاغذات نکال دیے — دراصل وہ ایک خفیہ خانے میں تھے۔

"ارے!"

سارجنٹ اور کانسٹیبل کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں! یہ کاغذات ہی ہیں۔"

سارجنٹ نے کاغذات کو دیکھا اور پھر حیران ہو کر بولا:

"ل — لیکن — یہ تو انسپکٹر کامران مرزا کی گاڑی ہے — اور آپ انسپکٹر کامران مرزا ہرگز نہیں ہیں۔"

"یہ آپ نے کیسے کہہ دیا — میں تو خود کو انسپکٹر کامران مرزا ثابت کر سکتا ہوں۔" وہ تیز لہجے میں بولے۔

"آئیے — ہمارے انسپکٹر ہی اس معاملے کو طے کریں گے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

اب وہ اس کے ساتھ ایک کیبن میں داخل ہوئے — دوسرا لمحہ حیران کن تھا — ان کے سامنے انسپکٹر صاحب لمبے لیٹے ہوئے تھے، اور گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔

"لیجیے — چلیے اپنے انسپکٹر کو سنبھالیے — وہ تو گیا کام سے — آپ لوگوں نے میرا بھی کام خراب کر دیا۔"

وہ تلملا کر بولے۔

ادھر وہ دونوں بری طرح بوکھلا گئے تھے — وہ اُن کی نظر بچا کر باہر نکل آئے — اور رکاوٹ ہٹا کر اپنی کار میں جا بیٹھے — فائل اڑا کر لے جانے والے تک پہنچنا اب آسان کام نہیں رہا تھا — اسی وقت انھوں نے اپنے پیچھے شور سنا — انھوں نے فوراً بریک لگائے اور مڑ کر دیکھا — فائل اٹھا کر لے جانے والا سارجنٹ اور کانسٹیبل کی بری طرح مرمت کر رہا تھا — انھوں نے فوراً کار بیک کی — ان کے نزدیک پہنچ کر کار روکی، نیچے اترے اور پُرسکون آواز میں بولے:

"یہ کیا ہو رہا ہے بھئی؟"

"اوہ — تم آ گئے دوست — چلو یہ اچھا ہی ہوا — اب ہم کھل کر ملاقات کریں گے۔" فائل اڑانے والا ہنسا۔

"خبردار — میں اپنے ملک کے دشمنوں کا دوست نہیں ہوں۔" اتنا کہتے ہی انھوں نے اس پر چھلانگ لگا دی اور اسے ساتھ لیے ہوئے زمین پر آ رہے — سارجنٹ اور کانسٹیبل کا اس وقت تک کچومر نکل چکا تھا — زمین پر گرتے ہی انھوں نے اس پر تابڑ توڑ گھونسے برسا دیے — چند سیکنڈ میں ہی وہ بے ہوش ہو چکا تھا — وہ اس کے اوپر سے اٹھ گئے۔

اس کی تلاشی لی، لیکن فائل نہ ملی۔

"حیرت ہے — فائل کہاں گئی؟"



"لگ — کیا چیز" سارجنٹ کی آواز سنائی دی۔

"اس نے آپ پر حملہ کیوں کیا تھا؟"

"یہ کیبن میں ہی پردے کے پیچھے چھپا ہوا تھا — جونہی آپ باہر نکلے — اس نے ہم پر حملہ کر دیا — ہم بوکھلا کر باہر نکل آئے، لیکن اس کے حملوں کی تاب نہ لا کر گر پڑے — ہمیں تو حیرت آپ پر ہے، آپ نے بہت جلد اسے بے ہوش کر دیا۔"

"بس اتفاق ہے یہ اتنی جلدی بے ہوش ہو گیا — ورنہ یہ مجھے غچہ دے کر نکل گیا تھا — لیکن سوال یہ ہے کہ فائل کہاں ہے؟"

"لگ — کیسی فائل؟" سارجنٹ نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ شخص ایک سرکاری دفتر سے کوئی فائل لے کر اڑا ہے — لیکن فائل اس کے پاس نہیں ہے — ٹھہریے — میں ایک بار پھر اس کی تلاشی لے لوں۔" یہ کہ کر انھوں نے اس کی کمر کا جائزہ لیا اور آخر کمر کے ساتھ چپکی ہوئی فائل — اتارنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ فائل کمر کے ساتھ ایسے چپکائی گئی تھی کہ جیسے بدن کا ایک حصہ نظر آتی ہے۔

"فائل مل گئی ہے — میں فوری طور پر اس فائل کو متعلقہ دفتر دینا چاہتا ہوں — آپ اس کو جکڑ کر شہر بھجوا دیجیے گا — یہ کام کر سکیں گے نا؟"

"ہاں ضرور۔" سارجنٹ نے فوراً کہا، پھر اس نے چونک کر پوچھا،
"لیکن آپ نے اپنا نام نہیں بتایا؟"
"مجھے کامران مرزا کہتے ہیں۔"
"کیا!!" اس نے چیخ کر کہا۔
"کیوں کیا ہوا؟"

"جی کچھ نہیں — آپ تو بہت مشہور آدمی ہیں۔"
"چھوڑیے اس بات کو۔" یہ کہہ کر انھوں نے کار کی طرف دوڑ لگا دی — وہ انھیں جاتے ہوئے دیکھتے ہی رہ گئے۔

محکمہ خارجہ کے اردگرد اور اندر اب پولیس ہی پولیس تھی — ایسے ہی انسپکٹر کامران مرزا وہاں پہنچے — اور نئے آئی جی صاحب کی طرف بڑھے،
"میں اس سے فائل واپس لے آیا ہوں سر — میں نے اسے یہاں سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا — چنانچہ اس کا تعاقب کیا — اب وہ چوکی نمبر ۱۶ کے سارجنٹ کے قبضے میں ہے۔"
"آپ — آپ کون ہیں؟" نئے آئی جی کے لہجے میں حیرت تھی،
"خادم کو انسپکٹر کامران مرزا کہتے ہیں۔" انھوں نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
"اوہ!" کئی آوازیں ابھریں۔



"لیکن میں نے یہ کام ڈیوٹی کے طور پر نہیں — وطن کے ایک وفادار کی حیثیت سے کیا ہے۔ امید ہے، آپ لوگ کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔"
"نہیں نہیں — یہ کوئی اعتراض کی بات ہے۔" آئی جی صاحب جلدی جلدی بولے۔

فائل کو وہیں کھول کر دیکھا گیا — ریکارڈ کیپر زور سے چونکا، اور پھر اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں — اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا!

"ارے — یہ کیا — اس فائل میں تو —" وہ جملہ مکمل نہ کر سکا۔
اور پھر وہاں موجود لوگوں کے چہروں پر طنزیہ مسکراہٹیں دوڑ گئیں — پھر سب انسپکٹر کامران مرزا کی طرف دیکھنے لگے — ان کے چہرے کا ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا — آخر انھوں نے کہا،
"آپ سولہ نمبر چوکی پر فون کر کے ساری بات معلوم کر لیں۔"
"ضرور — کیوں نہیں۔" آئی جی نے کہا اور چوکی کو فون کرنے لگے — جلد ہی ان کے منہ سے بلند آواز میں نکلا:
"نہیں!"
سب بوکھلا اٹھے — اور بول پڑے:
"کیا ہوا سر — کیا ہوا سر؟"

"مسٹر کامران مرزا کا بیان درست ہے۔ انھوں نے واقعی اسے پکڑ لیا تھا اور فائل اس سے حاصل کر لی تھی، لیکن ۔۔ وہ سارجنٹ کی قید سے فرار ہو چکا ہے اور کامران مرزا اس سے صرف فرضی فائل حاصل کر سکے ہیں۔ اصل فائل اب بھی اس کے پاس ہے۔"

"اوہ!" مختلف آوازیں ابھریں۔



# سنگین الزام

شوکی نے آنے والے شخص کو اور اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ایک چھوٹے سے بریف کیس حیرت بھری نظروں سے دیکھا اور پھر میز پر پڑی نوٹوں کی گڈی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اس نے کہا:

"آپ نے دفتر میں آنے کے بعد اور کرسی پر تشریف رکھنے کے بعد نوٹوں کا ایک پیکٹ جیب سے نکالا اور میز پر رکھ دیا ہے، اور اس کے بعد سے اب تک خاموش ہیں۔ کچھ کہیں گے، یا نہیں۔"

"نہیں ۔۔ میں کچھ نہیں کہوں گا۔" اس کے لب ہلے۔

"معاف کیجیے گا جناب ۔۔ یہ الفاظ بھی تو آپ نے ہی کہے ہیں۔" آفتاب بولے بغیر نہ رہ سکا۔ شوکی نے اسے تیز نظروں سے دیکھا اور پھر اجنبی سے بولا۔

http://www.pakfunplace.com
Scanned by Lubaba Alvi

"گویا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے منہ سے کچھ نہ سنیں اور یہ اندازہ لگا لیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"ہاں!" اس نے کہا۔

"تب پھر آپ ہمارے پاس یہ بریف کیس رکھوانا چاہتے ہیں، اور اس کی حفاظت کے لیے یہ رقم ہمیں دے رہے ہیں۔ لیکن جناب۔ اتنے سے کام کا ہم معاوضہ نہیں لے سکتے ہیں۔ آپ اپنی رقم اٹھائیے اور چلے جائیے۔ ہم آپ کی امانت کی حفاظت کریں گے اور آپ کے طلب کرنے پر آپ کو دے دیں گے۔"

"شکریہ! لیکن معاوضہ تو آپ کو لینا ہی پڑے گا۔ کیوں کہ آپ آخر معاوضے لے کر ہی کام کرتے ہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"وہ کام ہوتے ہیں۔ یہ کوئی کام نہیں۔ ہمیں بس اتنا ہی تو کرنا ہے۔ کہ اسے اٹھا کر گھر کے سیف میں رکھ دیں۔"

"لیکن۔ کچھ لوگ اس بریف کیس کو حاصل کرنے کی کوشش بھی کر سکتے ہیں۔ اور اس صورت میں آپ لوگوں کو اپنی زندگیاں خطرہ میں ڈالنا پڑے گا۔"

"اوہ۔ تو یہ بات بھی ہے۔ مسٹر۔"



"میرا نام رضوان شاہی ہے۔"

"آخر۔ اس بریف کیس میں کیا چیز ہے؟"

"بہت ہی قیمتی چیزیں ہیں۔ بس یوں سمجھ لیں۔ ہیرے ہیں۔"

"اور آپ یہ ہمارے پاس اس لیے رکھوانا چاہتے ہیں کہ اس کی حفاظت ایک مشکل کام ہے، بلکہ خطرناک بھی۔"

وہ جلدی سے بولا۔

"ہاں! یہ بات ٹھیک ہے۔"

"تب ہم یہ معاوضہ قبول کیے لیتے ہیں۔" شوکی نے نوٹوں کی گڈی اٹھا لی۔

"بہت بہت شکریہ۔ میرا چہرہ اچھی طرح دیکھ لیں۔ اسے ذہن میں بٹھا لیں۔ رضوان شاہی۔"

"ہماری یادداشت کافی حد تک تیز ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"اچھا!" اور پھر اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا، ایسے میں اس نے مڑتے ہوئے کہا:

"ایک بات کا خیال رہے۔ آپ لوگ بریف کیس کو کھول کر دیکھیں گے۔"

"بالکل۔ نہیں کھولیں گے۔ ہم تو بس اسے اٹھا کر تجوری میں ضرور جائیں گے۔ اور آپ کے آنے پر اٹھا کر بھی لائیں

گے۔" اخلاق بولا۔

"شکریہ۔" اور وہ کمرے سے نکل گیا۔

"اللہ ایسے کیس تو روز ہی دے دیا کرے۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"میں آمین نہیں کہوں گا۔" شوکی نے منہ بنا کر کہا۔

"لگ۔۔ کیوں بھائی جان۔" آفتاب بولا۔

"اس لیے کہ اگر ہمیں اس قدر آسان کیس ملتے رہے تو ہم سست ہو جائیں گے اور بیٹھے بیٹھے۔۔ بلکہ لیٹے لیٹے روٹیاں توڑا کریں گے اور امی جان برملا کہہ دیا کریں گی۔"

شوکی کے الفاظ درمیان میں رہ گئے، اسی وقت ا دروازے سے آواز آئی:

"لڑکو! تم کسی کام کے بھی ہو یا بالکل نکمے ہو۔"

"امی جان۔۔ ایک نظر ادھر دیکھ لیں۔۔ میز پر ایک عدد نوٹوں کا پیکٹ موجود ہے۔۔ اور ایک بریف کیس بھی۔"

"یہ سن چکی ہوں۔۔ جان چکی ہوں۔۔ لیکن اب بری طرح بے چین ہو چکی ہوں۔" ان کی آواز سنائی دی۔

"جی۔۔ کیا مطلب؟" چاروں چونک کر بولے۔

"مطلب یہ کہ میں چاہتی ہوں۔۔ اس بریف کیس کو کھول کر دیکھا جائے۔"



"کیا!!!" چاروں ایک ساتھ چلائے۔

اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی اور امی کے پیچھے ابا جان کا چہرہ نظر آیا۔

"کیا ہوا بھئی۔۔ تم لوگ ٹھیک تو ہو۔۔ لڑ وڑ تو نہیں رہے۔"

"لڑ تو خیر ہم سکتے ہیں ابا جان۔۔ لیکن وڑ نہیں سکتے۔" آفتاب بولا۔

"تو پھر۔۔ تم چلائے کیوں تھے؟"

"ایک شخص یہ بریف کیس ہمارے پاس رکھ گیا ہے اور اس کی حفاظت کے سلسلے میں نوٹوں کا یہ پیکٹ دے گیا۔۔ لیکن امی جان کی خواہش ہے کہ اسے کھول کر دیکھا جائے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔ ہم کیوں کھولیں۔۔ ہمیں کیا حق ہے۔" ابا جان نے بھنا کر کہا۔

"بالکل حق پہنچتا ہے۔۔ آج کل کے دور میں پوری طرح پہنچتا ہے۔" ان کی امی کا لہجہ مضبوط تھا۔

"آخر کیسے؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

جواب میں امی جان پہلے تو مسکرائیں پھر بولیں:

"آج کل بموں کے دھماکوں کا دور ہے۔۔ فرض کیا، آنے والا شخص تم لوگوں کا دشمن تھا، اور وہ اس بریف کیس میں

ایک عدد بم رکھ کر لایا ہے جو کسی وقت بھی پھٹ سکتا
— اب بتاؤ — ہم اس بریف کیس کو کھول کر دیکھ سکتے ہیں
نہیں — بھئی ہم صرف کھول کر دیکھیں گے — امانت کو ا
ے ادھر نہیں کریں گے، ہاں اگر اس میں بم ہوا تو چرا
بم کو چلنے کے قابل نہیں چھوڑیں گے۔"

ان کی امی کی باتوں میں بہت وزن تھا — وہ سا
گئے، آخر ابا جان کی آواز سنائی دی:

"بیگم! شاید زندگی میں پہلی بار کوئی کام کی بات کی
"کیا مطلب — کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں، میں ساری
بے کار باتیں کرتی رہی ہوں۔" ان کی والدہ نے آنکھیں
"ن — نہیں — میرا مطلب یہ نہیں تھا۔"
"تو پھر — کیا مطلب تھا — ذرا وضاحت کر دیں
بولیں۔

"اوہو — بھئی اگر بریف کیس میں بم ہے تو ہم ا
آگ کے دہانے پر کھڑے ہیں — ہمیں جلدی کرنی چاہیے
آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

اور پھر انھوں نے بریف کیس کھولنے کی کوشش
کر دی، اس میں نمبروں والا تالا لگا ہوا تھا، اور اس
کھلنا آسان کام نہیں تھا — لیکن آخر کار — کسی نہ کسی



[illegible] گیا — دوسرا لمحہ حیران کن تھا — بریف کیس بالکل خالی
— اس میں کوئی چیز بھی نہیں تھی۔
— یہ کیا بات ہوئی" اخلاق بڑبڑایا۔
[illegible] نہیں — کوئی بات ہوتی ہے یا نہیں —" آفتاب نے
[illegible] کر کہا۔

لیکن اسی وقت فون کی گھنٹی بجی — شوکی نے جلدی
ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے رضوان شاہی کی آواز
[illegible] وہ کہہ رہا تھا:
"مسٹر شوکی — یہ تم نے اچھا نہیں کیا — میری امانت کو
[illegible] تو نہیں رکھا۔"
"— کیا مطلب؟" شوکی حیرت زدہ رہ گیا۔
"مطلب یہ کہ تم نے بریف کیس کھول لیا ہے — میں
[illegible] تو نہیں کہا تھا۔" وہ بولا۔
"ٹھیک ہے مسٹر شاہی — لیکن آپ خود سوچیں — اس
[illegible] کوئی شخص بریف کیس میں بم رکھ کر بھی تو دے
[illegible] ہے، اور ہم اس بم کا نشانہ بن سکتے ہیں — کیا
[illegible]۔"
"ہم — اوہ — تو تم لوگوں نے اس خیال کے آنے پر
[illegible] کو کھولا ہے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

وہاں ! ہم نے آپس میں یہ عہد کر لیا تھا کہ امانت کو اِدھر
سے اُدھر ہی نہیں کریں گے۔ اگر بریف کیس میں …
ہوا۔"

"تو پھر۔ کیا نکلا؟" اس نے کہا۔

"یہ آپ پوچھ رہے ہیں؟"

"کیوں۔ بھلا میں کیوں نہ پوچھوں گا۔" دوسری طرف سے …
زدہ لہجے میں کہا گیا۔

"تو پھر سن لیں۔ اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔"

"کیا۔ یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا …
رضوان شاہی کی آواز میں بلا کی لرزش تھی۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں مسٹر شاہی۔" شوکی بھی …
سے رہ گیا۔

"آپ نے بتایا ہے کہ بریف کیس بالکل خالی ہے، اس …
کچھ بھی نہیں ہے۔ تب پھر میرے دوست کو یہ بریف کیس
بطور امانت آپ لوگوں کے پاس رکھوانے کی کیا ضرورت …
رضوان شاہی جلدی جلدی بولا۔

"آپ کا دوست۔ تو کیا یہ بریف کیس آپ کا نہیں …
شوکی بولا۔

"جی نہیں۔ میرے دوست لیاقت تاج کا ہے۔ انھوں …



… دے کر کہا تھا کہ اسے ہر قیمت پر آپ لوگوں کے پاس
… امانت رکھنا ہے۔"

"اوہ۔ یہ ایک اور حیرت انگیز بات معلوم ہوئی تھی۔ اب
… فوری طور پر ان سے رابطہ کرنا ہوگا۔" شوکی نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کے پاس آ رہا ہوں۔ ہم اکٹھے ہی
… کے پاس چلتے ہیں۔ میرا دوست اب میرے بارے میں بھی تو
… میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ شاید وہ خیال کرے کہ بریف کیس
… کے پاس رکھوانے سے پہلے میں نے کھول کر
… دیکھا ہو، اور اس میں رکھی چیز نکال لی ہو گی۔"

"ہاں! آپ بھی زد میں آتے ہیں اور ہم بھی۔ لیکن سچ
… کہ اس میں کچھ نہیں ہے۔"

"… اس کا فیصلہ اب میرے دوست لیاقت تاج کریں گے۔
… آ رہا ہوں۔"

… بیس منٹ بعد رضوان شاہی ان کے پاس پہنچ گیا اور
… کی کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ جلد ہی وہ
… بہت دولت مند آبادی میں داخل ہو رہے تھے۔

"… معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے دوست مسٹر لیاقت تاج بہت
… مند ہیں۔" شوکی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! آپ کا اندازہ درست ہے۔"

"بریف کیس انھوں نے آپ کے حوالے کب کیا تھا؟"

"رات نو بجے انھوں نے مجھے فون کر کے بلایا تھا — میں ساڑھے نو بجے کے قریب ان کے گھر پہنچا — ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے بریف کیس میرے حوالے کر دیا اور یہ ہدایت کی کہ اس کو آپ لوگوں کے پاس بطور امانت رکھوا دوں۔"

"عجیب بات ہے — اگر انھیں کسی وجہ سے بریف کیس امانت رکھوانا ہی تھا تو آپ کے پاس بھی تو رکھوا سکتے تھے۔"

"ہو سکتا ہے — انھیں مجھ پر اعتماد نہ ہو۔" وہ مسکرایا اور پھر زور سے چونکا۔

"بالکل — یہاں تو پولیس نظر آ رہی ہے۔"

ان لوگوں نے گھبرا کر سامنے دیکھا — ایک عالی شان کوٹھی کے آس پاس پولیس ہی پولیس نظر آ رہی تھی۔

"لگتا ہے — کوئی گڑبڑ ہو گئی — مسٹر رضوان — اب ہم آگے نہیں جائیں گے — صرف آپ جائیں اور حالات معلوم کر کے آئیں — اوہو — یہاں تو انسپکٹر جلالی نور بھی نظر آ رہے ہیں — اب تو ہم کسی صورت میں بھی آگے نہیں جا سکتے۔" شوکی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بھلا — کیوں؟"

"ان کا اور ہمارا شیر اور بکری کا رشتہ۔" آفتاب نے کہا۔



"خیر — آپ لوگ یہیں ٹھہریں — میں جاتا ہوں، لیکن شاید مجھے دیر لگ جائے۔" اس نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

"آپ گاڑی کو تالا لگا دیں — ہم اتر کر ایک طرف کھڑے ہو جاتے ہیں — اگر زیادہ دیر ہوتی محسوس ہوئی تو پھر ہم لوٹ جائیں گے — آپ فون پر بتا دیجیے گا — یہاں کیا ہوا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم کسی خوفناک معاملے میں الجھنے والے ہیں۔" اخلاق بڑبڑایا۔

"ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا — ہم اس معاملے سے ابھی کوسوں دور ہیں — ہمارا تعلق صرف اتنا ثابت کیا جا سکتا ہے کہ رضوان شاہی نے ایک عدد بریف کیس ہمارے پاس بطور امانت رکھوایا تھا، اور بس۔" شوکی نے کہا۔

"لیکن انکل جلالی نور تو پوری طرح ہمیں الجھانے کی کوشش کریں گے۔" اشفاق بولا۔

"بہتر یہی ہے کہ ہم یہاں سے کھسک لیں۔" آفتاب نے مشورہ دیا۔

"ٹھیک ہے۔"

اور وہ وہاں سے اپنے دفتر آ گئے۔ ٹھیک آدھ گھنٹے بعد ایک چہرہ دفتر کے دروازے پر نمودار ہوا۔ انسپکٹر جلالی نور کا چہرہ۔ اس کے چہرے پر گہرے طنز کے آثار تھے۔ قدرے مسکرا بھی رہا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے کہا:

"میں تمہارے دفتر میں آنے کے لیے کسی اجازت کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔"

"تب۔ تشریف لایے انکل۔"

"ایک تو تم مجھے انکل نہ کہا کرو۔ میں تمہارا دشمن تو ہو سکتا ہوں۔ انکل نہیں۔"

"اب ہم یہ تو کہنے سے رہے۔ آیے دشمن۔" آفتاب نے منہ بنایا.

"آج کل بہت زوروں پر ہو۔" اس نے کمرے کی ہر چیز کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا.

"جی ہاں، اللہ کی مہربانی سے کیس کافی ملنے لگے ہیں۔"

"اور اب تو تم نے قتل کے کیسوں پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا ہے۔ لیکن یہ سودا تمہیں ذرا مہنگا پڑے گا۔"

"انکل۔ کیا مطلب۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" شوکی زور



سے چونکا.

"مسٹر لیاقت تاج ایک بریف کیس تم لوگوں کے پاس لائے تھے۔ وہ بریف کیس انھوں نے بطور امانت تمہارے پاس رکھوایا تھا۔ تم سے رہا نہ گیا۔ اس کو کھول کر دیکھ لیا۔ اس میں شاید کوئی بہت ہی قیمتی چیز تھی۔ مثلاً ہیرے جواہرات۔ تم لوگوں نے سوچا۔ بریف کیس کا مالک اگر مارا جائے تو ہیرے تمہارے ہو جائیں گے۔ لہٰذا تم نے۔ لیاقت تاج کو قتل کر دیا۔"

"کیا۔ کیا کہا آپ نے۔" وہ چلا اٹھے.

آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی چلی گئیں.

# چلو تھانے

"چند لمحے کے لیے کمرے میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا — پھر شوکی کی آواز ابھری:

"آپ نے کیا کہا انکل — ہمارے پاس مسٹر لیاقت تاج آئے تھے؟"

"ہاں! بریف کیس لے کر۔"

"نہیں جناب — یہ غلط ہے — ہمارے پاس مسٹر لیاقت تاج نہیں — مسٹر رضوان شاہی آئے تھے۔"

"رضوان شاہی — وہ تو مسٹر لیاقت تاج کے دوست ہیں — ان سے میری بات ہو چکی ہے — انھوں نے ہی تو ساری بات بتائی ہے۔"

"کیا بات بتائی ہے — آپ ہمیں بھی تو بتائیں نا۔" آفتاب بے چین تھا۔





"اس نے بتایا ہے کہ رات نو بجے مسٹر لیاقت تاج نے اسے بلایا تھا — وہ کسی سے بہت خوف زدہ تھے، اور اپنا بریف کیس بطور امانت اس کے پاس رکھنا چاہتے تھے — لیکن رضوان شاہی نے تم لوگوں کا نام لیا، اور تمھارے بارے میں انھیں بتایا — چنانچہ وہ تمھارے پاس رکھوانے پر تیار ہو گئے، اور بریف کیس یہاں لے آئے۔"

"نہیں جناب — بریف کیس ہمارے پاس مسٹر رضوان شاہی لائے تھے۔"

"ارے نہیں بھئی — تم لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" انسپکٹر جلالی نور نے انکار میں سر ہلایا۔

"غلط فہمی نہیں جناب — آپ رضوان شاہی کو یہاں بلا لیں — یا ہمیں اس کے پاس لے چلیں، ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے — ہم ہی اس کے پاس چلے جاتے ہیں۔"

"چلیے — راستے میں ہم تفصیل بھی سنا دیں گے۔"

وہ جیپ میں سوار ہو کر رضوان شاہی کے گھر کے سامنے پہنچے — نام کی تختی پر لکھا ہوا پتا بالکل وہی تھا جو اس نے رجسٹر میں درج کرایا تھا — انسپکٹر جلالی نور نے

This Book Must Be Returned
to the YOUNGSTER'S Library

دروازے پر دستک دی تو ایک ادھیڑ عمر آدمی نمودار ہوا۔ اس پر نظر پڑتے ہی انسپکٹر جلالی نور نے فوراً کہا۔

"لیجیے مسٹر رضوان شاہی — میں ان لوگوں کو یہیں لے آیا ہوں — تاکہ آمنے سامنے بات ہو جائے۔"

"جی — کیا فرمایا — رضوان شاہی — یہ — رضوان شاہی نہیں ہیں۔"

"میں رضوان شاہی نہیں ہوں — کیا مطلب — تب پھر میں کون ہوں۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"اوہ — اوہ — یہ کیا چکر ہے۔" آفتاب گھبرا گیا۔

"یوں بات نہیں بنے گی — پہلے ہمیں ڈرائنگ روم میں بیٹھ جانا چاہیے۔"

"جی ہاں! بالکل ٹھیک۔" رضوان شاہی نے کہا۔

اور وہ انھیں ڈرائنگ روم میں لے آیا — شوکی برادرز کا حال پتلا تھا — ان کے چہروں پر ایک رنگ آرہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا۔

"مسٹر رضوان شاہی — میں آپ کو پہلے ان کی کہانی سنا دوں — ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ایک صاحب ان کے پاس آئے تھے — انھوں نے اپنا نام رضوان شاہی بتایا تھا — ایک بریف کیس ان کے پاس تھا — وہ



انھوں نے شوکی برادرز کے پاس بطور امانت رکھوا دیا — اور یہ بھی ہدایت کی کہ اس کو کھول کر نہ دیکھا جائے۔ ان لوگوں نے اس خوف کے پیش نظر کہ کہیں اس میں کوئی بم نہ ہو، اس کو کھول کر دیکھ لیا — لیکن بریف کیس بالکل خالی تھا۔ اسی وقت انھیں رضوان شاہی کا فون موصول ہوا — اس نے ان سے کہا کہ اگر تم لوگوں نے بریف کیس کھول کر دیکھ لیا نا — انھوں نے بتایا کہ بم کے خطرے کو جانتے ہوئے ایسا کیا گیا — لیکن بریف کیس تو خالی ہے — رضوان [illegible] آدمی یہ سن کر بہت حیران ہوا اور اسی وقت اس نے انھیں بتایا کہ بریف کیس دراصل ان کے دوست لیاقت تاج کا ہے — اور اس نے انھیں امانت رکھوانے کے لیے بھیجا تھا — اب ان لوگوں نے مسٹر رضوان شاہی کے ذریعہ لیاقت تاج سے ملنے کا پروگرام بنایا — مسٹر رضوان شاہی کے پاس پہنچ گئے — لیکن جب یہ لوگ لیاقت تاج کی کوٹھی کے سامنے پہنچے تو وہاں پولیس موجود تھی — پولیس کو دیکھ کر شوکی برادرز تو وہیں رک گئے — رضوان شاہی آگے بڑھ گئے — اور یہ لوگ وہاں سے کھسک آئے — اب آپ ان کے پاس نہیں گئے — رضوان شاہی آپ ہیں — یہ ٹھیک ہے کہ مسٹر لیاقت تاج کسی وجہ سے خوف زدہ

تھے اور اپنا بریف کیس آپ کے پاس بطور امانت رکھوانا چاہتے تھے
لیکن آپ نے انھیں مشورہ دیا کہ بریف کیس شوکی برادرز کے
پاس رکھوائیں — یہ مشورہ دے کر آپ تو واپس آ گئے — اب
سوال یہ ہے کہ بریف کیس کون شخص لے کر ان کے پاس گیا
تھا — اس نے اپنا نام رضوان شاہی کیوں بتایا تھا اور بریف
کیس خالی کیوں ہے — جلالی نور یہاں تک کہہ کر رک گئے

"بہت زیادہ الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے نا" رضوان شاہی نے
حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ہم اس شخص کو اچھی طرح جانتے ہیں جو ہمارے پاس آیا
تھا — اس کا حلیہ بھی لکھوا سکتے ہیں — اگر کسی طرح اسے
تلاش کر لیا جائے تو معاملہ صاف ہو جائے گا" شوکی
بولا۔

"بات یہ بھی ٹھیک ہے — حلیہ مجھے لکھوا دو میں
ابھی اس سلسلے میں یہ ہدایات دے دیتا ہوں۔"

"لکھ لیں — اس کا قد درمیانہ، رنگ صاف، جسم دبلا
پتلا — چہرہ لمبوترا — ناک پھیلی ہوئی، آنکھیں بڑی بڑی
اور سیاہ، سر کے بال سیاہ اور لمبے" شوکی نے جلدی
جلدی کہا۔

انسپکٹر جلالی نور نے یہ حلیہ جلدی جلدی نوٹ کر لیا۔



اور پھر ادھر ادھر فون کرنے لگے — جونہی انھوں نے فون کا
ریسیور رکھا، شوکی بولا:

"کیا آپ ہمیں جائے واردات دیکھنے کی اجازت دے
سکتے ہیں؟"

"نہیں، تم پر قتل کا الزام ہے" انھوں نے سخت
لہجے میں کہا۔

"ابھی آپ نے جو کہانی سنائی ہے — کیا اس کی روشنی
میں ہم پر اتنا سنگین الزام لگایا جا سکتا ہے؟"

"ہاں! اس لیے کہ وہ تم لوگوں کی کہانی ہے — جس پر
کوئی عدالت یقین نہیں کرے گی — اصل کہانی یہ ہے
کہ لیاقت تاج نے اپنا بریف کیس کسی آدمی کے ذریعے
تم لوگوں کے پاس امانت رکھوایا — تم نے بریف کیس
کھولا اور اس میں سے تمام ہیرے جواہرات نکال لیے —
اور لیاقت تاج کو قتل کر دیا — تاکہ بریف کیس کا مطالبہ
ہی نہ کیا جائے۔"

انسپکٹر جلالی نور نے جلدی جلدی کہا۔

"اور اس شخص نے اپنا نام رضوان شاہی کیوں بتایا
— اپنا نام رضوان شاہی صاحب والا کیوں لکھوایا؟" شوکی
نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یہ بھی تمہارا بیان ہے۔"

"یا اللہ رحم۔۔۔ آپ تو ہمیں قاتل بنائے دینے پر تلے ہیں۔"

"ابھی کیا ہے۔۔۔ ابھی تو تم لوگوں کے ہوش اڑانے کا سامان بھی میرے پاس موجود ہے۔" وہ مسکرائے۔

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔ مطلب؟"

"جائے واردات سے ہمیں ایک بہت خاص چیز ملی ہے۔" انسپکٹر جلالی نور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جی۔۔۔ خاص چیز۔۔۔ وہ کیا؟"

"ابھی جیب میں تمہیں پولیس اسٹیشن لے چلوں گا۔ تو وہ چیز تمہارے سامنے کر دی جائے گی۔"

ان کی الجھن اور بڑھ گئی۔۔۔ نہ جانے جائے واردات سے کیا چیز ملی تھی، اور اگر اس چیز سے ان کا تعلق ہے۔۔۔ تو پھر یہ ضرور کوئی بہت گہری سازش ہے۔۔۔ ایسے میں آفتاب کو کوئی خیال آیا:

"اجازت ہو تو میں ایک آدھ سوال مسٹر رضوان شاہی سے پوچھ لوں۔"

"ضرور۔۔۔ کیوں نہیں۔" انسپکٹر جلالی نور نے مسکرا کر



"مسٹر شاہی۔۔۔ آپ کو لیاقت تاج صاحب نے بلایا تھا۔ وہ آپ کے دوست تھے، جب آپ ان کے ہاں پہنچے تو آپ نے انہیں خوف زدہ پایا۔۔۔ ٹھیک ہے؟"

"ہاں! بالکل ٹھیک ہے۔" رضوان شاہی نے فوراً کہا۔

"شکریہ۔۔۔ آپ ان کے دوست تھے۔۔۔ انہیں خوف زدہ دیکھ کر آپ پریشان بھی ہوئے ہوں گے اور حیران بھی۔۔۔ لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ نے ان سے وجہ نہ پوچھی ہو۔۔۔ بس آپ اتنا بتا دیں کہ انہوں نے کیا وجہ بتائی تھی؟"

"انہوں نے بتایا تھا کہ ایک مدتوں پرانا ان کا دشمن اچانک اس شہر میں نظر آیا ہے، اور وہ یقیناً ان کی تلاش میں ہے۔۔۔ بہت جلد وہ ان تک پہنچ جائے گا۔ انہیں ایک بہت پرانا حساب کتاب ان سے لینا ہے۔۔۔ پھر انہوں نے بریف کیس کی بات کی اور میں نے شمو کی برادرز کا نام لے دیا۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"دشمنی کی وجہ بتائی تھی انہوں نے؟"

"نہیں۔۔۔ میں نے بہت کرید، لیکن انہوں نے اس

بارے میں زبان نہیں کھولی۔"

"مسٹر لیاقت تاج کیا شروع سے اسی شہر میں رہ رہے ہیں؟"

"جی نہیں۔ پہلے دارالحکومت میں رہتے تھے۔ دس بارہ سال پہلے یہاں آئے تھے۔" اس نے بتایا۔

"شکریہ جناب۔ ہمیں اور کچھ نہیں پوچھنا۔" شوکی نے کہا۔

"تو پھر چلو تھانے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔ ویسے قتل کی اس واردات سے ہمارا ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔"

"یہ فیصلہ کرنا عدالت کا کام ہے۔ میرا نہیں۔" جلالی نے منہ بنا کر کہا۔

انھیں جیپ میں بٹھا کر جلالی نور پولیس اسٹیشن لے آیا۔ ایسے میں شوکی بولا:

"ہمیں اپنے وکیل کو فون کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ یہ ہمارا قانونی حق ہے۔"

"ضرور ضرور۔ کیوں نہیں۔ فون موجود ہے۔" اس نے فون کی طرف اشارہ کیا۔

شوکی نے جلدی جلدی اکبر دانشور کے نمبر ملائے۔ ا



سلسلہ ملنے پر بولا:

"ہیلو انکل۔ ہم اس وقت انکل جلالی نور کے پولیس اسٹیشن میں موجود ہیں اور ہم پر قتل کا الزام عائد کیا جانے والا ہے۔"

"ارے باپ رے۔" انھوں نے بوکھلا کر کہا۔

"بس۔ آپ آ جائیے۔"

"فکر نہ کرو۔" انھوں نے کہا اور شوکی نے ریسیور رکھ دیا۔

"دیکھو شوکی۔ سچ سچ بتا دو۔ اس طرح تم لوگوں پر سختی نہیں کی جائے گی۔"

"ہم پہلے ہی سچ بتا چکے ہیں۔"

"جیسے تم لوگوں کی مرضی۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"ہماری کہاں مرضی انکل۔ مرضی تو یہاں آپ کی چلے گی۔ ویسے ایک بات سن لو۔ یہ کوئی بہت گہرا چکر ہے اور قاتل نے ہمیں پھانسنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔"

"ارے ہاں۔ آپ کوئی چیز ہمیں دکھانے والے تھے۔"

"یہ رہی۔ میری دراز میں۔" یہ کہہ کر اس نے میز کی دراز کھینچی۔

دوسرے ہی لمحے ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے

پھیل گئیں — وہ شوکی کی نوٹ بک تھی — اور اس پر شو
کی انگلیوں کے نشانات بھی جگہ جگہ دیکھے جا سکتے تھے

"ارے باپ رے — یہ تو میری نوٹ بک ہے — یہ
کیسے پہنچ گئی؟"

"یہاں نہیں — مقتول یاقت تاج کے نیچے دبی ہوئی
کسی جگہ سے یہ خون آلود بھی ہے۔"

"اُف مالک — یہ کیا ہو رہا ہے — یہ — یہ نوٹ بک
وہاں کس طرح پہنچ گئی؟" اشفاق نے تھر تھر کانپتی آواز
کہا۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے — تم لیاقت تاج کو قتل کرنے
تھے — نوٹ بک تمہاری جیب میں تھی — واردات کے
نوٹ بک جیب سے گر گئی — لیکن تم نہ دیکھ سکے —
بھی کیسے — نوٹ بک تو لاش کے نیچے دب گئی تھی
اب صرف ایک چیز رہ گئی — اگر وہ بھی مل گئی تو پھر
کیس مکمل ہے، اور دنیا کی کوئی عدالت تمہیں پھانسی
نہیں بچا سکے گی۔"

"انکل — ایسی خوفناک باتیں تو نہ کریں۔" آفتاب
لرز کر کہا۔



"اب میں ان سے کم خوفناک باتیں کہاں سے لاؤں؟"
لالی تور نے ہنس کر کہا۔

"آپ کسی آخری چیز کا ذکر کر رہے تھے۔" اخلاق بے
تاب ہو کر بولا۔

"ہاں! اگر تم لوگوں کے گھر سے بریف کیس سے نکلے
گئے ہیرے جواہرات مل گئے تو — پھر میرا کام مکمل۔"

اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"جب آپ یقین کر لیں — آپ ایسا کرنے میں بری طرح ناکام
رہیں گے — کیوں کہ بریف کیس میں سے جب کچھ نکلا ہی
نہیں تو پھر — گھر میں سے ہیرے کہاں سے نکل آئیں گے"

"یہ بیان مجرموں کا ہے۔ اور مجرموں کے بیان کی کوئی
اہمیت نہیں ہوتی۔"

"کیا مطلب؟" آفتاب نے چونک کر کہا۔

"ایک پارٹی اسی وقت روانہ کی جا رہی ہے — وہ تم
لوگوں کے گھر کی تلاشی لے گی۔ اس کے پاس تلاشی کے
وارنٹ بھی ہوں گے۔"

"ضرور کیوں نہیں۔" شوکی نے کہا۔

پندرہ منٹ بعد اکبر راٹھور اور انکل لالی وہاں پہنچ

http://www.paksociety.com

گئے۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں بھئی — سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اکبر راٹھور بولے۔

"شکریہ انکل۔"

انھوں نے ایک ساتھ کہا۔

"میں تفصیل جاننا چاہتا ہوں انسپکٹر صاحب۔" اکبر راٹھور نے جلالی نور سے کہا۔

"انہی سے معلوم کر لیں — اس کے بعد جو پوچھنا چاہیں — مجھ سے پوچھ لیجیے گا۔"

"شکریہ!" وہ بولے اور پھر ان کی طرف چلے آئے — انھوں نے تفصیل سنانا شروع کی، دونوں بغور سنتے رہے۔ آخر شوکی کے خاموش ہونے پر اکبر راٹھور بولے:

"اس کا مطلب ہے — تم لوگوں کے پاس جو شخص آیا تھا — ہمیں اس کی ضرورت ہے — سازش کا اصل مہرہ وہ ہے۔ وہی تمھاری میز پر سے نوٹ بک اڑا لے گیا — ویسے مجھے حیرت ہے — اس نے یہ کام تم لوگوں کی نظر بچا کر کس طرح کر لیا؟"

"اس پر تو ہمیں بھی حیرت ہے انکل — نوٹ بک تو میں میز پر



رکھتا بھی نہیں — وہ تو دراز میں رہتی ہے — پھر آخر اس نے کس طرح حاصل کر لی؟"

"تم لوگ اسے دفتر میں چھوڑ کر اندر تو نہیں گئے تھے؟"

"بالکل نہیں — ہم چاروں تمام وقت اس کے پاس موجود رہے۔"

"ہو سکتا ہے — تم نے نوٹ بک بے خیالی میں میز پر رکھ دی ہو۔"

"بالکل نہیں — ہم میں سے کسی کو تو یہ بات یاد رہتی —" آفتاب پر زور انداز میں بولا۔

"لیکن شوکی — تمھاری نوٹ بک نے معاملہ بہت سنگین بنا دیا ہے، اور میں خوف زدہ ہوں کہ —" اکبر راٹھور کہتے کہتے رک گئے۔

"کہیے — آپ رک کیوں گئے؟" شوکی نے بے چین ہو کر کہا۔

اسی وقت ایک جیپ اندر آ کر رکی — اس میں سے جلدی جلدی کچھ پولیس والے اتر کر اندر چلے گئے — پھر انھوں نے جلالی نور کو باہر نکل کر حوالات کی طرف آتے دیکھا — اس کا چہرہ چمک رہا تھا — نزدیک آتے ہی اس نے کہا:

"میں کامیاب ہو گیا — تمہارے گھر سے وہ جواہرات اور ہیرے مل گئے۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے چیخ کے انداز میں نکلا۔



# فون کا گھوڑا

http://www.pakfunplace.com
Scanned by Lubaba Alvi

تین دن بعد اکبر راٹھور اور انکل قارانی حوالات میں ان سے ملنے آئے تو دونوں کے چہرے لٹکے ہوئے تھے، رنگ زرد تھے اور آنکھوں میں ویرانی نظر آ رہی تھی:

"ہم آپ کی حالت کچھ اچھی نہیں دیکھ رہے۔" شوکی کا لہجہ پرسکون تھا۔

"ہاں شوکی — ہم پوری کوشش کر چکے ہیں — لیکن اس شخص کا سراغ نہیں لگا سکے جو بریف کیس لے کر تمہارے پاس آیا تھا — اس کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے — جلالی نور کا کیس بہت مضبوط ہے اور اسے سو فی صد یقین ہے کہ اس بار وہ تمہیں سزا دلوانے میں کامیاب ہو جائے گا۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔" آفتاب بڑبڑایا۔

"مشکل یہ ہے کہ ہم حوالات میں بند ہیں — اگر آزاد

ہوتے تو ضرور اسے تلاش کر لیتے۔" شوکی نے کہا۔

"ہاں! لیکن فی الحال تم لوگوں کی ضمانت بھی نہیں ہو سکتی" اکبر راٹھور بولے۔

"تب پھر — اس مسئلے کا ایک ہی حل ہے — اور وہ یہ کہ آپ انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کو یہاں بلا لیں۔"

"لیکن شوکی — وہ بھی تم لوگوں کے لیے کیا کر سکیں گے — حکومت تو اب ان کے خلاف جا رہی ہے۔"

"ہم جانتے ہیں — لیکن وہ اپنی تفتیش کے ذریعے اس کیس کو درہم برہم کر سکتے ہیں۔"

"ہوں — شاید تم ٹھیک کہتے ہو — میں ابھی جا کر انھیں فون کرتا ہوں۔" اکبر راٹھور بولے۔

"اگر وہ آ گئے — تو پریشانی نصف بھی نہیں رہ جائے گی۔" اخلاق نے کہا۔

"اخلاق — ہمیں ان پر نہیں — اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے، وہ بھی ہمارے لیے اسی وقت مفید ثابت ہو سکتے ہیں — جب کہ اللہ چاہے۔"

"بے شک! اس پر تو ہمیں پورا یقین ہے۔"

"بہرحال — اب ہم اس کے سوا کر بھی کیا سکتے ہیں — آئیے فارانی صاحب — چلتے ہیں۔" اکبر راٹھور اٹھتے ہوئے بولے



"وہ جو جواب بھی دیں — ہمیں ضرور اطلاع دیجیے گا۔" شوکی نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

"فکر نہ کرو شوکی — ہم فوراً تم لوگوں سے رابطہ قائم کریں گے۔" اکبر راٹھور بولے۔

"شکریہ انکل۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

اور دونوں ان سے رخصت ہو کر اکبر راٹھور صاحب دفتر میں آ گئے — یہاں سے انھوں نے انسپکٹر جمشید کے گھر کے نمبر ملائے — فوراً ہی بیگم جمشید کی آواز سنائی دی:

"السلام علیکم بھابی — اکبر راٹھور بول رہا ہوں۔"

"جی — کون اکبر راٹھور؟" دوسری طرف سے حیرت زدہ انداز میں کہا گیا۔

"جی نہیں — اکبر راٹھور — آپ مجھ سے واقف نہیں، لیکن انسپکٹر صاحب اور محمود وغیرہ اچھی طرح جانتے ہیں — انسپکٹر صاحب گھر ہیں؟"

"جی نہیں — ان میں سے تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

"اوہ — اچھا خیر — جونہی وہ آئیں — آپ انھیں بتا دیں، شوکی برادرز پر قتل کا نہایت سنگین مقدمہ بن گیا ہے — اور اس سلسلے میں انھیں مدد کی شدید ضرورت ہے۔"

"کیا کہا— شوکی برادرز پر قتل کا سنگین مقدمہ۔"

"جی ہاں! میں ان کا وکیل ہوں۔"

"اوہ— یہ— یہ میں نے کیا سنا ہے— خیر آپ فکر نہ کریں— میں ابھی ان کی تلاش میں فون کا گھوڑا دوڑاتی ہوں۔"

"فون کا گھوڑا۔" اکبر راٹھور کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا، اور دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

"اب کیا کیا جائے— انسپکٹر جمشید وغیرہ تو گھر میں نہیں ہیں۔"

"تب پھر انسپکٹر کامران مرزا کو فون کریں۔" انکل فارانی بولے۔

"اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

انھوں نے انسپکٹر کامران مرزا کے فون نمبر گھمائے لیکن ادھر سے بھی ایسا ہی جواب ملا—

"لیجیے جناب— یہ لوگ بھی نہیں ہیں۔"

"خیر کوئی بات نہیں— ان لوگوں کو پیغام تو مل جائے گا— اور جونہی پیغام ملا— وہ اٹھ کر یہاں پہنچیں گے۔"

"اللہ کرے، ایسا ہی ہو۔"

"سوال یہ ہے کہ شوکی برادرز کے پاس— کون شخص آیا تھا— وہ کہاں غائب ہو گیا— مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے— جیسے وہی لیاقت [illegible] قاتل ہو۔" انکل فارانی بولے۔

"وہ مل گیا [illegible] ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"ارے [illegible] شوکی برادرز کو بھی تو اطلاع [illegible] ہے۔"

دونوں ایک ساتھ اٹھے اور ایک بار پھر [illegible] اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے—

○

ان کے سامنے تہ خانے کے کچے فرش پر ایک [illegible] زنجیر پڑی تھی— ان کی نظریں اس زنجیر پر [illegible] گئیں۔

"مسٹر فرناش— یہ زنجیر دیکھ رہے ہیں آپ۔"

"ہاں! یہی وہ زنجیر ہے— جو میرا مہمان پہنے رہتا تھا— اور اسی زنجیر کو وہ انگلی پر گھما رہا تھا۔" اس نے بتایا۔

"حیرت ہے— اس نے یہ ساری محنت اس زنجیر کے لیے کی— لیکن تہ خانہ ملنے کے بعد زنجیر کو بھول گیا— ایسا معلوم ہوتا ہے— جیسے اسے تہ خانے میں کوئی بہت ہی قیمتی

چیز نظر آ گئی تھی، اور اس چیز کے چکر میں وہ زنجیر کو بھول گیا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے زنجیر اٹھا لی۔ انھوں نے دیکھا، وہ سونے کی تھی۔ تہ خانے میں صرف پرانے زمانے کی چیزیں پڑی ہوئی تھیں، اور بظاہر ان کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ یہ اور بات ہے کہ عجائب گھروں والے یا اس قسم کی چیزیں جمع کرنے والے ان کی اچھی بھلی قیمت ادا کر سکتے تھے۔

"ابا جان! ایک خیال میں بھی پیش کروں؟" ایسے میں فاروق بول اٹھا۔

"ضرور بھئی۔" وہ بولے۔

"پُر اسرار مہمان کو کوئی قیمتی چیز نظر نہیں آ گئی تھی بلکہ وہ اسی چیز کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔ تہ خانے کے بارے میں اسے پہلے سے معلوم تھا۔ زنجیر بھی اس نے جان بوجھ کر گرائی تھی۔ تاکہ گمراہ کر سکے۔"

"اوہ۔ فاروق اوہ۔ تمھاری بات دل کو لگتی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے چونک کر کہا۔

"سوال یہ ہے ابا جان کہ ہم اسے کہاں تلاش کریں۔ وہ تو اس طرح غائب ہے۔ جیسے گدھے کے



سر سے سینگ۔" محمود نے منہ بنایا۔

"آؤ۔ ہم اس کمرے کا معائنہ کریں۔ ہو سکتا ہے۔ کمرے سے کوئی کام کی چیز مل جائے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور تہ خانے سے باہر نکلنے کے لیے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ پھر وہ مہمان کے کمرے میں آ گئے، اور کمرے کی ایک ایک چیز کا جائزہ لینے لگے۔

مہمان جانے سے پہلے اپنا سامان جوں کا توں چھوڑ گیا تھا۔ گویا اسے سامان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بریف کیس میں انھیں مہمان کے بنگلے کے کاغذات مل گئے۔

"مہمان کا نام طاؤس خان ہے، اور وہ شوکی برادرز کی معرفت سے یہاں آیا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے ان کا مطالعہ کرنے کے بعد کہا۔

"اوہ! گویا ہمیں اس کی تلاش میں اب وہاں جانا پڑے گا۔"

"ہاں! کم از کم ہمیں یہ تو معلوم کرنا ہی ہو گا کہ مسٹر طاؤس خان آخر کس چیز کے چکر میں یہاں آیا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور اسی بہانے ہم شوکی برادرز سے بھی مل لیں

گے۔

"ایک چیز اور — مسٹر فرناش — آپ کے اس دوست کا کیا نام ہے — جس کا خط طاؤس خان لے کر آیا تھا۔"

"اس کا نام لیاقت تاج ہے — پتا لکھ لیں۔" یہ کہہ کر اس نے پتا لکھوا دیا۔

"شکریہ!" انھوں نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"مسٹر فرناش — ہم اس شخص کا تعاقب شروع کر رہے ہیں، آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، فی الحال آپ جوں کا توں رہنے دیں — اس کا کسی سے ذکر نہ کریں، ہم جلد واپس آئیں گے — اور آپ کو یہ راز بتائیں گے کہ طاؤس خان تہ خانے سے کیا چیز لینے آیا تھا۔"

"بہت بہت شکریہ جناب!" اس نے مطمئن ہو کر کہا۔

وہاں سے رخصت ہو کر وہ گھر آئے — بیگم کو ا... پروگرام کے بارے میں کچھ نہ بتایا — خان رحمان او... پروفیسر داؤد بھی چلنے کے لیے تیار ہو گئے، او... اس طرح ان کا سفر شروع ہوا — چار گھنٹے کے سفر کے بعد وہ شہر میں داخل ہوئے، اور سیدھے لیاقت...



...کوٹھی پہنچے — محمود نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبایا — جلد ہی ایک ملازم نمودار ہوا:

"ہمیں مسٹر لیاقت تاج سے ملنا ہے۔"

"افسوس! آپ ان سے نہیں مل سکتے۔"

"جی — کیا مطلب؟" فاروق چلایا۔

"انھیں قتل کر دیا گیا ہے۔"

"کیا کہا — قتل کر دیا گیا ہے۔" وہ بھونچکے رہ گئے۔

"ہاں! اب تو قاتل گرفتار بھی کر لیے گئے ہیں جناب۔"

"مہربانی فرما کر ہمیں تفصیلات سنائیے۔"

ملازم نے جب انھیں تفصیلات سنائیں تو وہ دھک سے رہ گئے — آخر اس کے خاموش ہونے پر بولے:

"اس کا مطلب ہے — شوکی برادرز حوالات میں..."

"جی — کیا آپ انھیں جانتے ہیں۔"

"ہاں! اچھا شکریہ — باقی باتیں ہم انھی سے پوچھ لیں گے۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے اور پھر ان کی کار کا رخ انسپکٹر جلالی نور کے تھانے کی طرف ہو گیا — انسپکٹر جلالی نور انھیں دیکھ کر حیران رہ گیا — اور پھر بولا:

"حیرت ہے — آپ اس قدر جلد ان کی مدد کے لیے

پہنچ گئے۔" اس نے کہا۔

"ایسی بات نہیں — ہم تو ایک اور ہی سلسلے میں
آئے تھے — ان کے بارے میں پتا چلا تو ادھر آ گئے
آئیے — میں آپ کو ان سے ملوا دوں — ویسے
بار یہ لوگ بہت بڑے پھنسے ہیں۔"

"بڑے تو وہ ہر مرتبہ ہی پھنستے ہیں — یہ کوئی نئی
نہیں۔" فاروق نے جل کر کہا۔

انسپکٹر جلالی نور اسے گھور کر رہ گیا — پھر وہ ان
حوالات کے سامنے لے آیا۔

"ارے — آپ — آپ لوگ — ہمیں تو اطلاع مل
آپ نہیں مل سکے، اور آپ کی ابھی تک اطلاع نہیں
شوکی بے تابانہ بولا۔

"ہاں! یہی بات ہے — ہم ایک کیس کے سلسلے
یہاں آئے تھے — اس کیس کے سلسلے میں ہمیں لیاقت
کے ہاں جانا پڑا۔"

"کیا — لیاقت تاج — وہ ایک ساتھ بولے — جلالی نور
دھک سے رہ گیا۔

"ہاں! اس نے اپنے ایک دوست کو ایک خط دے
کر دارالحکومت کے ایک شخص کے پاس بھیجا تھا — وہ



[illegible] یزمان کے لیے بہت پُراسرار ثابت ہوا — [illegible]
[illegible] میزبان [illegible] پاس آیا اور ہم اس شخص کی تلاش میں [illegible]
[illegible] — ظاہر ہے — ہم لیاقت تاج سے ہی اس کے بارے میں پوچھ
[illegible] تھے — لیکن یہاں آ کر معلوم ہوا — لیاقت تاج کو قتل کر
دیا گیا ہے — اور قتل بھی کسی نے کیا — تم لوگوں نے۔"
[illegible] انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اللہ کی پناہ — ہم اور کسی کو قتل کریں گے۔" اشفاق لرز

"میں ابھی فائل کا جائزہ لیتا ہوں — اللہ نے چاہا تو بہت
[illegible] تم لوگ حوالات سے باہر ہو گے۔"

"ایسا نہیں ہو سکے گا جناب — ان کے خلاف کیس بہت
مضبوط ہے۔" جلالی نور نے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

اور پھر کیس کی نقل انھیں دے دی گئی — وہ
تھانے سے نکل آئے — یہ ابتدائی رپورٹ تھی — انھوں
نے بغور اس کا مطالعہ کیا — کار خان رحمان چلا رہے
تھے اور ان کا رخ شوکی برادرز کے گھر کی طرف تھا — ان
حالات میں وہ اور جا بھی کہاں سکتے تھے۔

مختصر طور پر کہانی یہ ہے، ایک شخص شوکی برادرز کے

دفتر آیا، اس کے پاس ایک بریف کیس تھا۔ بریف کیس اس نے شوکی برادرز کے پاس بطور امانت رکھوایا۔ اس نے اپنا نام رضوان شاہی بتایا۔ ادھر شوکی برادرز نے بم کے خیال سے بریف کیس کو کھول کر دیکھ لیا۔ وہ بالکل خالی تھا۔ ادھر انھوں نے بریف کیس کھولا، ادھر اسی شخص کا فون آ گیا۔ گویا اسے پہلے ہی اندازہ تھا کہ شوکی برادرز بریف کیس کھولے بغیر نہیں رہیں گے۔ اس نے فون پر اعتراض کیا کہ بریف کیس کو کیوں کھولا گیا۔ انھوں نے بم کا خیال پیش کر دیا، اور ساتھ ہی اسے یہ بات بتائی کہ بریف کیس تو بالکل خالی ہے۔ وہ شخص حیران رہ گیا اور اب اس نے یہ بات بتائی کہ بریف کیس دراصل اس کے دوست لیاقت تاج نے اسے دیا تھا۔ تاکہ وہ ان کے پاس امانتاً رکھوا دے پھر وہ شوکی برادرز کے پاس آیا اور انھیں لے کر لیاقت تاج کی کوٹھی گیا۔ لیکن لیاقت تاج کی کوٹھی کے اندر پولیس نظر آئی۔ تو یہ لوگ پیچھے ہی رہ گئے اور وہ آگے چلا گیا۔ اس کے بعد یہ لوگ وہاں سے کھسک آئے۔ اب رضوان شاہی یہ کہتا ہے کہ لیاقت تاج نے اسے بلایا ضرور تھا۔ وہ خوف زدہ بھی تھا۔ بریف کیس کا ذکر بھی اس سے کیا تھا، لیکن بریف کیس اس کے حوالے نہیں کیا تھا۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ رضوان



نے ہی لیاقت تاج کو یہ مشورہ دیا تھا کہ بریف کیس شوکی رز کے پاس رکھوا دے۔ شوکی برادرز کو جلالی اور رضوان کے پاس لے کر آ گئے۔ تو انھوں نے خود یہ بات تسلیم وہ ان کے پاس نہیں آئے تھے۔ آنے والا کوئی اور ۔ گویا اس نے اپنا غلط نام بتایا تھا، اور ان کے دفتر سے طرح نوٹ بک اٹھا کر لے گیا۔ ظاہر ہے۔ قتل کی ت اس نے کی۔ اسی نے نوٹ بک لاش کے نیچے ۔ تاکہ سارا الزام شوکی برادرز پر آ جائے۔ ادھر ان کے ہیرے جواہرات بھی رکھوائے گئے۔ تاکہ معلوم ہو کیس میں واقعی ہیرے تھے۔ شوکی برادرز نے ان کے لالچ میں لیاقت تاج کو قتل کر دیا۔ لیکن ان سے بھول کہ اپنی نوٹ بک لاش کے پیچھے چھوڑ آئے۔ ہے، جلالی نور کا۔ مطلب یہ ہوا کہ جو شخص ان پاس آیا۔ وہ رضوان شاہی نہیں تھا۔ کوئی اور تھا۔ نے نام رضوان شاہی ہی کا استعمال کیا۔ اسی نے بریف میں سے ہیرے نکالے، اور ان میں سے چند ہیرے برادرز کے گھر میں چھپا دیے۔ نوٹ بک اس نے لاش نیچے دبائی۔ گویا قاتل وہی ہے۔ لیاقت تاج سے غلطی یہ اس کے ذریعے بریف کیس شوکی برادرز کے پاس

پیچھا — اس نے بریف کیس ان لوگوں کے حوالے کرنے سے
پہلے ہی کھول کر دیکھ لیا — ہیرے دیکھ کر وہ بدنیت ہو گیا،
اور یہ منصوبہ بنایا — گویا ہمیں اس شخص کو تلاش کرنا ہو گا —
ورنہ شوکی برادرز کی جان نہیں چھوٹے گی — اور اس سلسلے میں
ہمیں شوکی برادرز سے بھی ایک بار پھر ملنا پڑے گا — تاکہ
اس کا حلیہ کرید کرید کر معلوم کریں — پھر ہم یاقوت تاج کے
گھر بھی جائیں گے — ایک عجیب بات یہ ہے کہ — یاقوت تاج
کسی سے خوف زدہ کیوں تھا — کیا صرف ان ہیروں کے لیے
— یہ بات میرے حلق سے نہیں اترتی — اس کی کوٹھی دیکھ
کر تو معلوم ہوتا ہے — شہر میں اس سے بڑا رئیس کوئی
نہیں ہو گا۔"

"ہوں — اس پہلو پر بھی ہم کام کریں گے — سب سے
پہلے ضرورت ہے — شوکی برادرز کے والدین کو دلاسہ دینے
کی" محمود نے کہا۔

خان رحمان نے کار روک لی — انھوں نے نظریں اٹھائیں
تو شوکی برادرز کا گھر ان کے سامنے تھا —

"ایک سوال یہ بھی تو ہے کہ آخر اس نے ہیرے گھر
کے اندر کس طرح پہنچائے — بریف کیس کس طرح اڑائی —"
فرزانہ بولی۔



"ہم اس کا جائزہ لیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے سر ہلایا۔
محمود آگے بڑھ کر گھنٹی بجا چکا تھا — جلد ہی مشتاق احمد
خان کی صورت نظر آئی۔

"آہا — آپ لوگ آخر آ ہی گئے۔"
ان کے پیچھے بیگم مشتاق بھی تھیں — وہ انھیں اندر
لے آئے — دونوں کے چہرے اترے ہوئے تھے۔

"آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں — ہم بہت جلد
انھیں رہا کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے — ان شاء اللہ۔"

"اللہ کرے، ایسا ہی ہو۔"

"پولیس کو ہیرے کہاں سے ملے۔" انسپکٹر جمشید نے
پوچھا۔

"آئیے — میں دکھا دوں۔"
وہ انھیں شوکی برادرز کے کمرے میں لے آئے۔

"اس الماری میں ہیرے موجود تھے۔"
الماری دیکھنے کے بعد انھوں نے پورے مکان کا
جائزہ لیا — منڈیر پر پائپ کے ساتھ انھیں رگڑ کے نشانات نظر
آئے — وہ جوش میں بھر گئے —

"وہ شخص پائپ کے ذریعے چھت پر آیا — کسی رسی کے
ذریعے نیچے اترا — ہیرے الماری میں رکھے — میز کی دراز میں

ہے اس نے نوٹ بک بھی نکال لی — گویا نوٹ بک — بریف کیس کھلوانے سے پہلے ہی اڑائی جا چکی تھی — یہاں سے واپس جا کر اس نے لیاقت تاج کو قتل کیا — نوٹ بک لاش کے نیچے رکھ دی — اور چلا آیا — دوسرے دن — خالی بریف کیس لے کر شو کی برادرز کے پاس پہنچ گیا — تاکہ ان کے خلاف کیس مکمل ہو سکے — لیکن افسوس — اب جلالی نور رگڑا کے نشانات کو نہیں مانے گا — ارے — یہ — یہ کیا ہے؟"

کہتے کہتے وہ رک گئے — ان کے سامنے ایک عجیب چیز پڑی تھی۔



## پتا لکھ دیں

آفتاب، آصف اور فرحت نے باہر کی طرف چھلانگیں لگا دیں، وہ بہت دور انھیں ایک کار جاتی نظر آئی — انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ — باہر کھڑی ایک پولیس جیپ پر سوار ہو گئے — آصف نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور اسے لے اڑا — انھوں نے اپنے پیچھے پولیس کی چیخیں سنیں —

"ارے — خبردار — یہ پولیس کی گاڑی ہے — چلو تعاقب کرو ان کا —"

"ایک طرف پولیس — دوسری طرف مجرم — مجرم بھی پولیس کے بھیس میں — جائیں تو جائیں کہاں" آفتاب نے جل کر کہا۔

"مجرم کے تعاقب میں" — فرحت نے فوراً کہا۔

"وہ لیے رہے گا مزا — یہ بھی پولیس جیپ — آگے بھی پولیس جیپ — روکنے کی کوئی کوشش نہیں کرے

http://www.pakfunplace.com
Scanned by Lubaba Alvi

کہا۔ آصف مسکرایا۔
"لیکن جو پیچھے آ رہے ہیں — وہ ہمارے لیے قطعی شریف ثابت نہیں ہوں گے۔" آفتاب نے کہا۔
"ہم انھیں نزدیک آنے ہی کیوں دیں گے۔" یہ کہہ کر آصف نے رفتار اور بڑھا دی — اور اگلی جیپ سے ان کا فاصلہ کم ہونے لگا — پیچھے آنے والی دو جیپیں دور ہونے لگیں —
"وہ مارا —" فرحت نے پُرجوش انداز میں کہا۔
"ابھی تک ہم نے کوئی تیر نہیں مارا — خالی نعرے نہ لگاؤ —" آفتاب نے جل کر کہا۔
"کام شروع ہی اب ہوا ہے — پہلے تیر کیسے مارتے —" فرحت نے اسے گھورا۔
تعاقب جاری رہا — پچھلی جیپیں نظروں سے بالکل اوجھل ہو گئیں — ایسے میں اگلی جیپ ایک موڑ مڑ گئی — آصف نے بھی فوراً مڑنے کی تیاری کر لی — جونہی وہ موڑ مڑے — اگلی جیپ پہلے کی نسبت زیادہ دور نظر آئی —
"بہت تیز ہے کم بخت۔" آصف بڑبڑایا۔
"تو تم بھی اور تیز ہو جاؤ۔"



"جیپ دیکھ کر — شاید چلتے ہی سڑک پہ اچھل اچھل جاتے ہیں۔"
"کوئی بات نہیں — اگر وہ نکل گیا تو ہم ابا جان کو کیا منہ دکھائیں گے۔"
"یہی ٹھیک، اب ذرہ منہ — ویسے یہ بھی اچھا ہوا کہ ہم نے آنے سے پہلے میک اپ کروا لیا — پولیس والے کم از کم ہمارے گھر تو نہیں جائیں گے۔"
"اب تو ہم ویسے بھی منہ نہیں دکھا سکتے — یہ حضرت تو شہر سے باہر نکلے جا رہے ہیں۔"
"حیرت ہے — آئے تو یہ تھے مسٹر خالد دُرانی کے بیٹے کو اغوا کرنے اور بھاگے جا رہے ہیں ایسے جیسے موت ان کے تعاقب میں ہو۔"
"اب اس بے چارے کو کیا پتا تھا کہ وہاں ہم پہنچ جائیں گے اور اس کی سازش کا بیڑہ غرق کر دیں گے۔"
"نہ اس کے ہاتھ فائل لگی ہے، نہ لڑکا — دعویٰ اس کا یہ تھا کہ چاہے کچھ بھی انتظام کر لو — یہ فائل حاصل — ارے — ارے —" فرحت کہتے کہتے رک گئی، اس کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔
"کیا ہوا — خیر تو ہے۔"

"مسٹر درانی فائل تو دفتر سے لائے ہی نہیں تھے — اب فرض کیا — مجرم کو اس بات کا پتا لگ جاتا ہے — تو ظاہر ہے — اس کی اصل توجہ محکمۂ خارجہ کا دفتر ہو گی — نہ کہ درانی صاحب کا گھر — ادھر تو اس نے اپنے کسی آدمی کو بھیج دیا ہو گا اور محکمۂ خارجہ کے دفتر میں گیا ہو گا — کیا خیال ہے۔"

"بہت خوفناک خیال ہے — اگر ایسا ہو چکا ہے — تو فائل تو سمجھو گئی۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"تب پھر ان لوگوں نے بہت گہری چال چلی۔"

"اور شاید — ہم ان کی گہری چال کی لپیٹ میں پوری طرح آئے ہوئے ہیں۔" آصف بڑبڑایا۔

"ہم — مگر — نہیں — ابا جان بھی تو عام آدمی نہیں ہیں — انھوں نے بھی یہ اندازہ ضرور لگا لیا ہو گا اور وہ دفتر خارجہ پہنچ گئے ہوں گے۔" آفتاب نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں واقعی — ضرور ایسا ہوا ہو گا — لیکن ہم اسے بھی تو نہیں چھوڑ سکتے — مجرم کا ساتھی اگر ہمارے ہاتھوں پکڑا گیا تو اصل مجرم کو پکڑنا آسان ہو جائے گا۔" فرحت پُرجوش انداز میں بولی۔



انھوں نے سر ہلا دیے — جلد ہی انھوں نے محسوس کر لیا — وہ شہر کو بہت پیچھے چھوڑ چکے ہے۔

"شاید اس شخص کا ارادہ کسی دوسرے شہر پہنچ کرنے کا ہے۔"

"اچھا ہے — ہم بھی دوسرا شہر دیکھ لیں گے۔" آفتاب خوش ہو کر بولا۔

اور پھر واقعی وہ ایک دوسرے شہر کے نزدیک پہنچ گئے — ان کی آنکھوں میں حیرت جاگ اٹھی —

"ہائیں — یہ تو شوکی برادرز کا شہر ہے۔" آفتاب چونک کر بولا۔

"چلو یہ اور بھی اچھا ہے۔" آصف مسکرایا۔

"اسے کہتے ہیں چپڑی اور دو دو۔" فرحت نے خوش ہو کر کہا۔

عین اسی وقت اگلی جیپ سڑک کے کنارے رکتی نظر آئی — ابھی وہ شہر میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

"شاید — تعاقب وار صاحب ہم سے یہیں فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔" آصف نے جیپ کی رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔

"جب کہ یہ بات ہمارے حق میں نہیں — اپنے شہر میں تو ہم انھیں گرفتار کر کے پولیس کے حوالے کر سکتے تھے۔

وہاں تو واقعے کی گواہی دینے کے لیے مسٹر درانی موجود تھے۔ یہاں ہم پولیس والوں کو کیا بتائیں گے۔ دوسرے یہ کہ اسے پولیس کے حوالے کر کے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہمیں تو اس کا ٹھکانا چاہیے۔ کیوں کہ اس کا ساتھی جو فائل لینے کے لیے دفتر پہنچا ہوگا۔ وہ بھی آخر وہیں آئے گا۔"

"تب ہمیں یہاں رکنے کی بجائے پیچھے ہٹ جانا چاہیے۔" آفتاب نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

"ترکیب اچھی ہے، اس طرح اسے آگے بڑھنا پڑے گا اور ہم تعاقب کر سکیں گے۔"

عین اسی وقت انھوں نے دیکھا۔ جیپ سے اتر کر وہ پیدل شہر کی طرف چل پڑا تھا۔

"اوہ۔ تو اس کا پروگرام یہ تھا۔ ہاں واقعی پولیس جیپ بھی تو آخر چھوڑنا ہوگی۔ ہم بھی اس سے یہیں چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔"

"لیکن چھٹکارا حاصل کرنے سے پہلے اس پر سے انگلیوں کے نشانات مٹا دو۔"

اس کام سے فارغ ہو کر وہ پھر اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے یہاں تک کہ شہر میں پہنچ گئے۔ ایسے میں اس نے اچانک ایک ٹیکسی روک لی۔ وہ گھبرا گئے۔ ان پاس کوئی ٹیکسی موجود نہیں تھی۔ اس نے ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے چہرہ ان کی طرف گھمایا، تو اس پر انھیں گہرے طنز کے نشانات نظر آئے۔



دوسرے ہی لمحے ٹیکسی یہ جا وہ۔ جیپ وہ بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے، اور اس تک پہنچ کر ٹیکسی کو پکڑنا ممکن نہیں رہا تھا۔

○

انسپکٹر کامران مرزا نے ان سب کی طرف پُر سکون انداز میں دیکھا اور بولے:

"ٹھیک ہے۔ وہ مجھے چکمہ دے گیا ہے لیکن میں نے اس کا تعاقب تو کیا۔ اس سے مقابلہ تو کیا، فائل حاصل کرنے کی کوشش تو کی۔ آپ لوگوں نے کیا کیا۔ چلیے اتنا بتا دیں۔"

ان کی طنزیہ مسکراہٹیں ایک دم غائب ہو گئیں۔ رنگ اڑ گئے، انسپکٹر کامران مرزا نے سر کو ایک جھٹکا دیا اور باہر نکل گئے۔ اب ان کا رخ خالد درانی کی طرف تھا۔ یہاں اب بھی پولیس موجود تھی۔ چند پولیس والے اندر بھی موجود تھے۔ انسپکٹر کامران مرزا کو دروازے پر ہی روک لیا گیا:

"آپ اندر نہیں جا سکتے۔"

"مجھے مسٹر خالد درانی صاحب سے ایک ضروری کام ہے۔"

"ان کی حالت اس وقت ٹھیک نہیں ہے۔"

"لیکن مجھ سے ملاقات کرنے کے بعد ان کی حالت ٹھیک ہو جائے گی۔"

"ٹھیک۔ کیا مطلب؟"

"میں ان کے مہمان کے بارے میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ایک منٹ۔" ایک کانسٹیبل نے کہا اور جلدی سے اندر چلا گیا۔ فوراً ہی اس کی واپسی ہوئی اور اس نے انھیں اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ ایک منٹ بعد وہ خالد درانی کے ساتھ بیٹھے تھے اور وہ انھیں حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ آخر بولے:

"فرمائیے! آپ کون ہیں، مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"کیا آپ کو معلوم ہے۔ آپ کے دفتر سے فائل اڑائی جا چکی ہے۔"

"ہاں! یہ بات مجھے فون پر بتائی گئی ہے۔ مجرم نے دو طرفہ وار کیا۔ اس نے اعلان یہ کیا تھا کہ میرے گھر پر حملہ آور ہو گا۔ اس خیال کے تحت میں نے بچے کے اغوا کا خطرہ تو مول لے لیا۔ فائل دفتر سے گھر نہیں لایا۔ لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ دفتر جا پہنچے گا اور فائل لے اڑے گا۔"



"ہاں! لیکن اس میں آپ کا تو کوئی قصور نہیں۔" وہ مسکرائے۔

"ابھی تک آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کون ہیں؟" انھوں نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"جس وقت وہ شخص فائل لے کر عمارت سے باہر نکلا، اس وقت میں محکمہ خارجہ کے دفتر کے قریب ہی تھا۔ مجھے اس پر شک گزرا اور میں نے اس کا تعاقب کیا۔"

"اوہ۔ اچھا!" وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"جی ہاں! لیکن افسوس! وہ چکر دے کر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ ایک عدد فائل دفتر سے اڑا لے گیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس کو تلاش کروں اور فائل اس سے حاصل کر کے دکھاؤں۔"

"آپ۔ یہ کام کریں گے؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! میں آپ کو بوڑھا ضرور نظر آ رہا ہوں، لیکن ہوں نہیں۔" وہ مسکرائے۔

"لیکن اب میرا اس معاملے سے کیا تعلق رہ گیا۔ جس وقت فائل اڑائی گئی، میں ڈیوٹی پر نہیں تھا۔ اور میں نے افسران کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ہمارے ملک کی ایک اہم فائل چرائی گئی ہے۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ مجرم گرفتار ہو جائے۔ اس نے آپ

کے بیٹے کو اغوا کرنے کی دھمکی بھی تو دی تھی۔"

"مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں، بلکہ میں تو اس کا دشمن ہوں — میں کیوں ایسا نہ چاہوں گا۔"

"تب پھر مجھے ایک بات بتا دیں، اور وہ یہ کہ وہ فائل کیا تھی۔"

"فف — فائل —" خالد درانی کے منہ سے نکلا — اس کا رنگ اڑ گیا۔

"بتا دیں — فائل میرے پاس نہیں ہے کہ میں اس سے کوئی فائدہ اٹھا لوں گا۔" انھوں نے جلدی سے کہا۔

اس وقت اگر وہ سرکاری ملازم ہوتے تو بغیر کسی وقت کے اس فائل کے بارے میں معلوم کر لیتے، لیکن ان حالات میں انھیں یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا تھا۔

"سرکاری راز بتانے کا مجھے کوئی اختیار تو نہیں، لیکن آپ مجھے بہت پُرخلوص آدمی نظر آتے ہیں، اس لیے بتا دیتا ہوں، کسی زمانے میں جنوبی ریگستان ہمارے ملک میں شامل تھا — پھر اس ریگستان پر دشمن ملک نے قبضہ کر لیا — اس مختصر سی جنگ میں بہت جانی نقصان ہوا — پھر ہماری حکومت اس لیے پیچھے ہٹ گئی کہ ایک ریگستان کے ٹکڑے کے لیے کیوں اپنے فوجیوں کو مروایا جائے — اس وقت سے وہ ریگستان ان کے قبضے میں چلا آ



رہا ہے۔"

"لیکن کیوں — وہ اس ریگستان سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ان کے بھی فوجی ہلاک ہوتے ہی ہوں گے۔"

"ان کے فوجی ہم سے دوگنا مارے گئے تھے — اور اب بھی اس ریگستان پر ہر وقت فوجی موجود رہتے ہیں — دن رات اس ٹکڑے کی نگرانی کی جاتی ہے۔"

"ابھی تک تو اس معاملے میں فائل کا ذکر نہیں آیا۔"

"فائل کی چوری کے بعد ہی تو یہ بات ذہن میں آئی ہے، اس فائل میں اس ریگستان کے بارے میں تمام تر معلومات موجود ہیں — کاش — میں نے اس کا مطالعہ کیا ہوتا —" انھوں نے سرد آہ بھری۔

"اس کے بارے میں کوئی شخص ہے — جو کچھ بتا سکے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"مجھ سے پہلے میری سیٹ پر جو صاحب موجود تھے — شاید وہ بہت کچھ جانتے تھے — لیکن وہ ریٹائرڈ ہو چکے ہیں۔"

"میں ان سے کہاں مل سکتا ہوں۔"

"ان سے ملاقات کے لیے آپ کو سفر کرنا ہو گا۔"

"مہربانی فرما کر ان کا پتا لکھ دیں۔" انھوں نے پرجوش انداز میں کہا۔

خالد درانی نے پتا لکھ دیا۔

جونہی انھوں نے پتا پڑھا — ان کے چہرے پر حیرت دوڑ گئی۔



http://www.pakfunplace.com Scanned by Lubaba Alvi

# کام کی بات

انھوں نے اس چیز کو غور سے دیکھا — وہ ایک سنہری رنگ کا بچھو تھا۔ لیکن سچ مچ کا اور زندہ نہیں، بلکہ سونے کا بنا ہوا۔

"بس — سونے کا بچھو۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"خیال رہے — کہیں ڈنک نہ مار دے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہم — میں اسے اٹھا کر دیکھ رہا ہوں۔" محمود نے جلدی سے کہا اور بچھو کو اٹھا لیا — پھر بولا:

"یہ — یہ تو کافی وزنی ہے — لگ — کہیں — پیتل کا نہ ہو۔"

"پیتل اور سونے کے رنگ میں فرق ہے — یہ خالص سونے کا ہے — لیکن سوال یہ ہے کہ یہ یہاں کہاں سے آیا۔"

"اوہو — کہیں — کہیں یہ ان جواہرات میں شامل نہ رہا ہو — جو مجرم یہاں رکھنے کے لیے آیا تھا۔"

"ہاں واقعی — یہ عین ممکن ہے۔"

"یہ بچھو تو ہم جمالی نور کو دکھا ہی سکتے ہیں۔" فرزانہ نے

خوش ہو کر کہا۔

"وہ کیا دے گا۔ شوکی برادرز نے یہ بچھو باقی جواہرات سے الگ رکھ دیا ہو گا" انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے۔

"آؤ چلیں۔ یہ بچھو بہرحال ہمارے کام آئے گا۔"

پھر وہ کار میں بیٹھ کر لیاقت تاج کے گھر پہنچے۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد شوکی کے گھر رہ گئے تھے تاکہ ان کی پریشانی کچھ اسی طرح کم ہو سکتی تھی۔

لیاقت تاج کے گھر پر گہری اداسی چھائی ہوئی تھی۔ ان کا استقبال بھی روکھے انداز میں کیا گیا۔

"ہم تاج صاحب کے قاتل کا سراغ لگانے کی کوشش میں یہاں آئے ہیں کیوں کہ کچھ بے گناہ لوگوں کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ جنھیں گرفتار کیا گیا ہے۔ ان کے گھر سے پولیس نے کچھ جواہرات بھی برآمد کیے ہیں۔ جب کہ ان لوگوں نے بریف کیس میں سے کچھ بھی نہیں نکالا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لیاقت تاج صاحب کے قاتل نے ہیرے جواہرات ان لوگوں کے گھر میں خود چھپائے ہیں تاکہ اس کی بجائے وہ گرفتار ہوں۔ اس کام کے لیے وہ چھت کے راستے آیا تھا، یعنی کہ چھت پر سے ہمیں ایک چیز ملی ہے، اور وہ چیز ہم آپ کو دکھانا چاہتے ہیں۔"

یہ کہ کر انھوں نے سونے کا بچھو ان کے سامنے رکھ



دیا۔ بچھو کو دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"اُف مالک۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" لیاقت تاج کے بڑے لڑکے نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"کیوں۔ کیا ہوا؟" انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔

"یہ بچھو ہمارے دادا جان کا ہے۔ انھوں نے مرتے وقت ابا جان کو دیا تھا۔ حیرت ہے۔ یہ آپ کے پاس کہاں سے آیا۔"

"یہ کسی طرح قاتل کے ہاتھ لگ گیا۔ اس نے اس کو جیب میں رکھ لیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے، قتل کی واردات کے دوران اس کے ہاتھ لگا ہو۔ لیکن جب وہ ہیرے شوکی برادرز کے گھر میں رکھنے کے لیے پائپ کے ذریعے چھت پر پہنچا تو یہ بچھو وہاں گر گیا۔ یا پھر اس نے جان بوجھ کر گرایا ہو گا، لیکن نہیں۔ وہ تو شوکی برادرز کو پھنسانا چاہتا تھا۔ لہذا جان بوجھ کر بچھو کو چھت پر نہیں گرا سکتا تھا۔ یہ اس سے انجانے میں گرا ہے۔ اب میں آپ سے چند سوالات کروں گا۔ مہربانی فرما کر خوب سوچ سمجھ کر جواب دیں۔"

"بہت اچھا۔"

"جس رات مسٹر لیاقت تاج کو ہلاک کیا گیا۔ ان سے کون کون ملنے آیا تھا۔ اور کیا آپ جانتے ہیں۔ آخری ملاقاتی کون تھا؟"

"اس روز صرف ان کے دوست رضوان شاہ ہی ملنے کے لیے آئے تھے، اور بس — ہم ابھی جاگ رہے تھے — جب وہ واپس چلے گئے" لڑکے نے کہا۔

"اور اس وقت آپ کے والد زندہ تھے؟"

"ہاں، بالکل ٹھیک تھے — قدرے خوف زدہ ضرور تھے۔"

"انھوں نے آپ لوگوں کو بتایا — وہ کیوں خوف زدہ ہیں؟"

"جی — جی نہیں — بس ٹال گئے، اور پھر ہم سو گئے، لیکن صبح ہمیں ان کی لاش ملی۔"

"قاتل کس طرف سے آیا؟"

"ابا جان کے کمرے کی ایک کھڑکی باغ کی طرف کھلتی ہے — اس میں سلاخیں نہیں ہیں — قاتل اسی کے ذریعے اندر داخل ہوا اور اسی کے ذریعے فرار" اس نے بتایا۔

"شکریہ، ہم ذرا اس کمرہ اور باغ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"ضرور کیوں نہیں — آئیے — لیکن پولیس تو پہلے ہی چپے چپے کو دیکھ چکی ہے۔"

"بس ہم بھی ایک نظر دیکھ لیں گے۔"

انھوں نے پہلے باغ کا جائزہ لیا اور پھر کمرے کا — کوئی خاص بات نظر نہ آئی — ایسے میں فرزانہ بولی:

"آپ کے ابو کمرے کی کھڑکی بند رکھتے تھے یا کھلی؟"



"عام طور پر کھلی" لڑکے نے بتایا۔

"لیکن اس روز تو وہ خوف زدہ تھے۔"

"شاید اس حد تک انھیں خوف نہیں ہو گا۔"

"آپ لوگوں نے رات کے وقت کسی قسم کی آواز بھی نہیں سنی — گڑبڑ کی آواز نے بھی آپ کو نہیں جگایا؟"

"جی نہیں — وہ شور سے بہت گھبراتے تھے — اس لیے ان کا کمرہ ہم سب کے کمروں سے کافی فاصلے پر ہے" لڑکے نے کہا۔

"آپ کے والد کام کیا کرتے تھے؟"

"جی تجارت — اون کی۔"

"ابھی تک ہمیں کوئی کام کی بات معلوم نہیں ہو سکی — جب کہ ہمیں کام کی بات کی بہت ضرورت ہے" فاروق نے اکتا کر کہا۔

"جی — کیا مطلب؟"

"اس قتل کے الزام میں پولیس نے ہمارے دوستوں کو گرفتار کر رکھا ہے — قاتل نے انھیں پھنسانے کی بھرپور کوشش کی ہے، جب تک ہم کوئی اہم بات معلوم نہیں کر لیتے۔"

اس کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے — اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی تھی — انھوں نے حیرت زدہ انداز میں ایک دوسرے

کی طرف دیکھا — فاروق تو بولے بغیر نہ رہ سکا۔

"حیرت ہے — عجیب بات ہے۔"

"جی — کیا مطلب — کس بات پر حیرت ہے آپ کو اور کون سی بات عجیب ہے؟"

"اس — گھنٹی بجانے والے پر۔" فرزانہ مسکرائی۔

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"کیا آنے والے آپ کے کوئی عزیز ہیں؟"

"بھلا ابھی ہم کیا کہہ سکتے ہیں — ہمیں کیا معلوم کہ کون آیا ہے۔"

"جب کہ ہم گھنٹی بجانے کے انداز سے جان لیتے ہیں کہ دروازے پر کون ہے — ہم چونکے بھی اسی وجہ سے تھے — کیوں کہ یہ انداز ہمارے ایک بہت ہی قریبی عزیز کا ہے — لیکن بھلا وہ یہاں کہاں — جانے — پہلے آپ جا کر دیکھ لیجیے۔"

"اس کی ضرورت نہیں — ملازم جا چکا ہو گا۔" بوڑھے نے کہا۔

اسی وقت ملازم اندر داخل ہوا۔

"ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"بس — صرف ایک صاحب۔" فاروق نے مایوس ہو کر کہا۔

"کیوں — آپ کے خیال میں وہ کتنے ہونے چاہییں تھے۔" ملازم نے حیران ہو کر کہا۔

"کم از کم چار۔" فاروق نے منہ بنایا۔



"جی نہیں — وہاں صرف ایک آدمی ہے۔"

"شاید ابا جان کا کوئی دوست ہو — اطلاع ملنے پر کسی دوسرے شہر سے آیا ہو گا — لے آؤ بھئی انھیں۔"

ملازم گیا اور پھر جونہی وہ ملاقاتی کو لے کر اندر داخل ہوا — وہ تینوں زور سے اچھلے — ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — جب کہ انسپکٹر جمشید نہ تو اچھلے تھے اور نہ ان کی آنکھوں میں حیرت تھی — شاید وہ پہلے ہی مکمل طور پر اندازہ لگا چکے تھے کہ آنے والے انسپکٹر کامران مرزا ہیں —

"آپ لوگوں کو یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی —" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"حیرت ہمیں بھی ہوئی انکل — لیکن زیادہ حیرت اس پر ہے کہ آپ اکیلے نظر آ رہے ہیں۔"

"اس لیے کہ ہم باقاعدہ پروگرام بنا کر نہیں نکلے — بس یک دم ایک چکر چل پڑا، لیکن تم فکر نہ کرو — میں ابھی فون کر کے انھیں بھی بلا لوں گا، لیکن پہلے یہ تو معلوم ہو کہ آپ یہاں کیوں موجود ہیں۔"

"اور یہی سوال ہم آپ سے کرنا چاہتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک — میں اسی وقت مختصر طور پر بتا دیتا ہوں۔"

"شکریہ انکل — کاش آپ جب اندر آئے — چار ہوتے۔"

"وہ بھی آ جائیں گے — میں یہاں مسٹر لیاقت تاج صاحب سے ملنے آیا ہوں۔"

"اوہ — حیرت ہے — آپ کو ان سے کیا کام آ پڑا؟"

"بہت خاص کام، لیکن بھئی بات کیا ہے — یہاں فضا بہت سنجیدہ ہے۔"

"ہاں! مسٹر لیاقت تاج کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

"کیا!!" ان کے منہ سے نکلا۔

"اور زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ شوکی برادرز کو قاتل نے اس کیس میں بری طرح الجھا دیا ہے — اب اس کے بجائے وہ چاروں حوالات میں بند ہیں۔"

"یہ — یہ میں کیا سن رہا ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی کہانی ہمیں ضرور کسی راستے پر لگائے گی — مہربانی فرما کر پہلے آپ اپنی کہانی سنا دیں۔" انسپکٹر جمشید نے بے چین ہو کر کہا۔

"اچھی بات ہے — تو پھر سن لیں، ہمارے پاس ایک صاحب خالد دلاتی آئے تھے — وہ اپنا کیس ہمارے حوالے کرنا چاہتے تھے — ہم وہاں پرائیویٹ جاسوسی ادارہ قائم کر چکے ہیں۔" انھوں نے بتایا۔

"اوہو اچھا — اس قدر جلد — ہم تو ابھی پروگرام ہی بنا رہے



تھے۔" فرزانہ بولی۔

"درمیان میں ٹانگ نہ اڑاؤ — بات مکمل ہونے دو۔"

"انھوں نے بتایا کہ کوئی نامعلوم شخص ان کے دفتر کی ایک فائل حاصل کرنا چاہتا ہے — وہ دفتر خارجہ میں ریکارڈ کیپر ہیں — نامعلوم آدمی نے دھمکی دی تھی کہ فائل لا کر گھر میں رکھ لینا — وہ وہاں سے وصول کر لے گا، اگر فائل نہ لائے تو بیٹے کو اغوا کر کے لے جاؤں گا — اس نے پولیس کو اطلاع دے دی، لیکن اطمینان نہ ہونے کی بنا پر ہمارے پاس بھی چلا آیا — میں ان کے گھر آ گیا، آصف اور فرحت کو بھیج دیا اور خود محکمہ کے دفتر پہنچ گیا — وہاں مجھے ایک عجیب شخص نظر آیا — اس کی حرکات مشکوک تھیں، چنانچہ میں نے اس کا تعاقب کیا — میں اسے پکڑنے میں بھی کامیاب ہو گیا — اس کی کمر پر فائل بندھی تھی — وہ میں نے اتار لی، اسے ٹریفک پولیس کے حوالے کر کے خود دفتر خارجہ پہنچا، لیکن فائل اصلی نہیں — نقلی تھی — اس پر دفتر والوں نے میرا خوب مذاق اڑایا اور میں وہاں سے چلا آیا — خالد دلاتی کے ہاں پہنچا، ان سے اس فائل کے بارے میں معلوم کیا — انھوں نے فائل کی بہت عجیب کہانی سنائی، اور اپنے سے پہلے ریکارڈ کیپر سے ملنے کے لیے کہا — اس کا کہنا ہے کہ اس فائل کے بارے میں زیادہ تفصیل سے دیا نہ

ہونے والے ریکارڈ کیپر بتا سکتے ہیں۔"

"لیکن آپ یہاں کیسے پہنچ گئے۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ریٹائرڈ ہونے والے ریکارڈ کیپر سے ملنے۔"

"کیا مطلب — کیا آپ لیاقت تاج صاحب سے ملنے کے لیے آئے ہیں — لل — لیکن نہیں — وہ تو بوڑھے نہیں تھے۔"

"ان کا نام تاج خان ہے۔"

"وہ میرے دادا تھے — فوت ہو چکے ہیں۔" لیاقت تاج کے بیٹے نے کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔



# وہی ہے

"کہانی اور دلچسپ ہو گئی۔" چند لمحے بعد فاروق کی شوخ آواز ابھری۔

"ہو تو گئی ہے — لیکن ادھر شوکی برادرز حوالات میں ہیں اور آفتاب ابھی دارالحکومت میں ہیں، اگر یہ لوگ بھی شامل ہو جاتے تو کہانی کا لطف ہی اور ہوتا۔" محمود بولا۔

"ہم یہاں کہانی کا لطف لینے نہیں، کیس حل کرنے کے لیے آئے ہوئے ہیں — انسپکٹر کامران مرزا آپ پچھلے فائل کی کہانی سنائیں۔"

"پوری کہانی تو اب ہم معلوم کر نہیں سکتے — بے چارے تاج خان تو اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔"

"اور شاید انھوں نے مرنے سے پہلے فائل کی کہانی اپنے بیٹے لیاقت تاج کو سنا دی تھی — اسی راز کی بنا پر انھیں قتل کیا گیا ہے — کیوں کہ ادھر وہ فائل اڑائی گئی — ادھر ان کا کام تمام کیا گیا — تاکہ وہ فائل کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتا سکیں، اس کا مطلب ہے — خالد درانی کو اصل راز معلوم نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید

http://www.paktunplace.com

کہتے چلے گئے۔

"ہاں — ورنہ انھیں بھی ختم کر دیا جاتا۔" فرزانہ نے سر ہلایا۔

"میں بتاتا ہوں — اس شہر کے جنوب میں ایک ریگستان ہے — اس ریگستان پر کچھ عرصہ پہلے دشمن ملک کی فوج نے قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی — ہماری فوجوں نے جب دشمن فوج کو روکنا چاہا تو اس نے جنگ شروع کر دی اور اس طرح دونوں طرف کا زبردست جانی نقصان ہوا — ہماری حکومت نے یہ دیکھ کر فیصلہ کیا کہ وہ ریگستان ہی ہے — اس کے لیے آخر انسانی جانیں کیوں قربان کی جائیں — بس ہماری فوج کو پیچھے ہٹا لیا گیا اور اس طرح ریگستان دشمن ملک کے قبضے میں ہے۔"

"اوہ!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"اب جو فائل چرائی گئی ہے — وہ اسی ریگستان کے بارے میں ہے — وہ کوئی بہت ہی پرانی فائل ہے — اس وقت کی — جب ہمارا ملک بھی نہیں بنا تھا اور یہ سارا خطہ ایک ہی کہلاتا تھا — اور مسلمان شہنشاہ اس پر حکومت کیا کرتے تھے — اس وقت یہ علاقہ ریگستان بھی نہیں تھا — بلکہ میدانی علاقہ تھا — آبادی بھی رہی ہو گی — وہ فائل اسی زمانے کی ہے — افسوس کو اڑا لیا گیا۔"

"میرا جی چاہ رہا ہے — اڑ کر جاؤں اور فائل حاصل کر لاؤں۔"



فاروق نے جلدی سے کہا۔

"آج کل جادو کی کہانیاں پڑھ رہے ہو کیا؟" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"صورت تیرے کی — کمال ہے جو یہ حضرت تھوڑی دیر کے لیے سنجیدگی اختیار کر لیں۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"تب یہ معاملہ بہت بڑا ہے — دشمن ملک نے ابھی اس ریگستان پر بلا وجہ قبضہ نہیں کیا — ان کو اس ٹکڑے کا راز معلوم ہو گیا ہو گا — اور اب اگر انھیں اس فائل کے بارے میں معلوم ہوا تو انھوں نے پروگرام بنایا کہ فائل کو اڑا لیا جائے، اور اگر کوئی اس فائل کے بارے میں کچھ جانتا ہے تو اُسے ختم کر دیا جائے۔" انسپکٹر کامران مرزا جلدی جلدی بولے۔

"ہوں! یہ بات بہت حد تک صاف ہونے لگی ہے — اگر کسی طرح ہمیں وہ فائل مل جائے تو کام بن جائے۔"

"فائل اڑا کر لانے والا بھی ضرور اس شہر میں آیا ہے — اب پہلے آفتاب وغیرہ کو یہاں بلا لیتے ہیں — کیوں کہ یہ لوگ کافی تیز ہیں اور شوکی برادرز کی ضمانت کی بھی کوشش کرتے ہیں۔"

"اس کوشش میں آپ ناکام ہو جائیں گے —" یاقت "آج کا بول اٹھا۔

"کیوں بھئی — ایسی بھی کیا بات ہے؟"

"انسپکٹر جلالی تو ان کے سخت خلاف ہیں۔"

"خیر — دیکھا جائے گا — ان سے بھی بات کر لیں گے۔"

اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے — انسپکٹر کامران مرزا نے اپنے گھر فون کیا، لیکن آفتاب وغیرہ وہاں نہیں ملے — ان کی بیگم کو بھی کچھ معلوم نہیں تھا — لہٰذا انھوں نے پیغام دے کر ریسیور رکھ دیا — اب انسپکٹر جمشید نے اپنے ایک خاص دوست کو فون کیا اور شوکی برادرز کا مسئلہ ان کے حوالے کیا۔

"اب ذرا ہم گھر کی خبر لے لیں — شوکی برادرز کے والدین کو دلاسہ دیں گے اور خان رحمان اور پروفیسر داؤد صاحبان سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہاں! ٹھیک ہے۔"

"آپ چلیں — ہم ذرا گھوم کر آتے ہیں۔" ایسے میں محمود نے کہا۔

"ضرور — کیوں نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ویسے انکل! فائل چرانے والے کا حلیہ کیا تھا؟"

"حلیہ — جتنی اندھیرے میں ہم اسے صاف طور پر تو دیکھ نہیں سکا تھا — نہ زیادہ لمبا تھا — نہ چھوٹے قد کا — اس سے زیادہ تو میں بتا نہیں سکوں گا۔"

"خیر — تم گھوم آؤ — ہم گھر چلتے ہیں۔"

"شکریہ — بہت بہت۔" وہ ایک ساتھ بولے۔



ان کے راستے الگ الگ ہو گئے — سیر کے بعد تینوں ایک ہوٹل میں آ بیٹھے — تھکن اور بھوک پیاس محسوس ہونے لگی تھی — ایسے میں انھوں نے کسی کو دبی آواز میں کہتے سنا:

"وہی ہے۔"

انھوں نے چونک کر اس طرف دیکھا — وہاں دو لڑکے اور ایک لڑکی تھے، لیکن یہ جملہ ان کی طرف دیکھ کر یا اشارہ کر کے نہیں کہا گیا، فوراً ان کی نظریں ایک موٹے سے آدمی پر جمی تھیں۔

"ہاں — بالکل وہی ہے — ٹھہرو — میں دیکھتا ہوں۔" یہ کہہ کر ان میں سے ایک اٹھ گیا۔

ان تینوں پر جوش سوار ہو گیا — دل دھک دھک کرنے لگے۔ وہ لڑکا سیدھا اس موٹے کے پاس جا کھڑا ہوا —

"معاف کیجیے گا جناب — کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟"

"کیوں — کیا اور کوئی میز خالی نہیں ہے۔" موٹے نے جھلا

"اوہ — ہاں — واقعی۔" اس نے گھبرا کر کہا اور واپس پلٹ آیا، پھر کھانے میں مگن ہو گیا — اس نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا کہ وہ کس طرف گیا — ادھر وہ واپس آ کر بیٹھ گیا — اور آواز میں بولا:

"اب تو مجھے ایک فی صد بھی شک نہیں رہا — آواز بھی بالکل

رہی ہے:

"تب تو بن گیا کام۔ محنت کا پھل مل گیا۔ اب ابا جان ہیں طعنہ نہیں دے سکیں گے:"

ادھر اُن کا بُرا حال تھا۔ وہ جان چکے تھے کہ وہ تینوں آفتاب، آصف اور فرحت ہیں:

"ہم ان کو فون کے ذریعے تلاش کر رہے تھے اور یہ یہاں پھر رہے ہیں:" محمود نے سرگوشی کی۔

"اور یہ بھی کسی چکر میں:"

"ہو سکتا ہے۔ قاتل کے چکر میں ہوں۔ بہرحال انھوں نے ابھی ہمیں نہیں دیکھا۔ لہٰذا ہم خود کو الگ ہی رکھیں گے۔ ذرا دیکھیں تو سہی۔ کیا چکر ہے:"

دونوں نے سر ہلا دیے۔ آفتاب وغیرہ پینے کے لیے کچھ چیزیں منگوا چکے تھے۔ انھوں نے بھی جلدی جلدی آرڈر دیا۔ ابھی وہ فارغ نہیں ہوئے تھے کہ موٹا اٹھتا نظر آیا۔ ساتھ ہی آفتاب، آصف اور فرحت اٹھے۔ ان کے ہوٹل سے نکلتے ہی وہ بھی اٹھے اور باہر نکل آئے۔ موٹا پیدل ہی ایک سمت میں آگے بڑھ رہا تھا۔ لہٰذا تعاقب در تعاقب پیدل ہی شروع ہو گیا۔

انھیں زیادہ فاصلے نہیں کرنا پڑا۔ موٹا ایک شان دار



میں داخل ہو گیا۔ آفتاب، آصف اور فرحت وہیں سے پلٹ
۔ ساتھ ہی محمود وغیرہ پلٹے۔
اے۔ تم ہمارا پیچھا کیوں کر رہے تھے:" آصف کی جھلائی
آواز سنائی دی۔
"ہاں واقعی۔ میں بھی بہت دیر سے یہ بات محسوس کر رہی تھی:"
ت نے فوراً کہا۔
"بولتے کیوں نہیں۔ منہ میں گھنگنیاں ڈال رکھی ہیں کیا:"
"بہت دن ہو گئے۔ نہیں کھائیں:" فاروق نے کہا۔
"ہائیں۔ یہ۔ یہ آواز تو فاروق بھائی کی ہے:"
"تک۔ کیا مطلب۔ یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے:" آفتاب ہکلایا۔
"یہ بات تو ہم تمھارے بارے میں کہہ سکتے ہیں۔ کیوں کہ
ٹیک آپ ہیں ہو:"
اور پھر وہ پلٹے، اور گرم جوشی سے ایک دوسرے
ملنے لگے۔
"کسے معلوم تھا۔ یہاں ملاقات ہو گی:" فاروق مسکرایا۔
"کاش! ابا جان بھی یہاں ہوتے:" آفتاب بولا۔
"وہ پہلے ہی موجود ہیں:" فرزانہ مسکرائی۔
"ہائیں۔ کیا واقعی:"
"جی نہیں۔ شوکی برادرز حوالات میں ہیں:"

"باپ! یہ انھیں اس عمر میں حالات جاننے کی کیا سوجھ گئی؟" آفتاب کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"انھیں نہیں۔ انسپکٹر جلالی نور کو سوجھی تھی" فرزانہ نے کہا۔

"یوں مزا نہیں آئے گا۔ ہمیں فوراً گھر کا رخ کرنا چاہیے، تاکہ سب ایک جگہ جمع ہو کر جان سکیں کہ ہم کس کیس کا شکار ہیں، اور ایک کیس کا یا دو کیسوں کے۔"

"اندازہ یہی ہے کہ کیس ایک ہے۔"

وہ فوراً گھر پہنچے۔ انھیں دیکھ کر باقی لوگ بھی مسکرا دیے۔ اور پھر انھیں بھی حالات سنا دیے گئے۔ ابھی بات مکمل ہوئی تھی کہ قدموں کی آواز سنائی دی۔ سر اٹھائے تو شوکی برادرز کھڑے نظر آئے۔

"باپ۔ تم لوگ حوالات سے کیسے بھاگ آئے؟" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"بھاگ کر نہیں۔ ضمانت پر رہا ہو کر آئے ہیں۔ ایک نامعلوم باثر آدمی نے انسپکٹر جلالی نور کی ایک نہ چلنے دی۔"

"اور وہ باثر نامعلوم آدمی ابا جان کے دوست ہیں" محمود بولا۔

"اوہو اچھا۔ یہ بات ہمیں معلوم نہیں تھی۔"

"تمھیں بہت سی باتیں معلوم نہیں ہیں" فاروق نے منہ بنایا۔



"تو بتا دو نا بڑے بھائی" محمود مسکرایا۔

انھیں بھی ساری بات سنائی گئی۔

"تب تو ہم شاید کیس حل کرنے کے نزدیک پہنچ گئے" آصف نے جوش میں آ کر کہا۔

"وہ کیسے؟"

"اس نقلی بھاگنے والے کا ٹھکانا ہم دیکھ کر آ رہے ہیں۔ صاف ظاہر ہے۔ نقلی بھاگنے والا فائل چوری کرنے والوں کا ساتھی ہے، لہذا ہم اس کے ذریعے فائل چرانے والے تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"بات معقول ہے۔ لیکن ہمیں فی الحال اس مکان کی نگرانی کرنا پڑے گی، اور یہ کام ہماری نسبت تم لوگ زیادہ بہتر کر سکتے ہو" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یوں کہیے نا۔ کہ آپ کی نسبت ہم بور ہونے کا کام زیادہ بہتر طور پر کر سکتے ہیں" فاروق نے جل کر کہا۔

"چلو بھئی یہی سہی۔ اب کام تو کرنا ہو گا" شوکی نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر چلیے۔ کہیں وہ ہمارے جانے سے پہلے ہی وہاں سے نکل نہ جائے۔ اصل مجرم اسے غائب ہونے کا اشارہ نہ دے دے۔"

"اوہ ہاں۔ واقعی۔ ہم میں سے ایک کو وہیں ٹھہرنا چاہیے تھا۔"

محمود نے گھبرا کر کہا۔

اور پھر وہ دوڑ پڑے۔ بڑی باجی مسکرا کر رہ گئی۔

ایک بار پھر وہ وہیں پہنچ گئے۔ اب وہ کوٹھی ان کی نظروں کے سامنے تھی جس میں موٹا آدمی داخل ہوا تھا۔ ایسے میں فرزانہ نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ ہمیں کیسے معلوم ہو۔ موٹا آدمی اندر ہے یا کہیں جا چکا ہے۔"

"سوال واقعی بہت اہم ہے۔ اگر وہ یہاں ہے ہی نہیں تو ہم کیا یہاں جھک ماریں گے۔" فرحت مسکرائی۔

"خیر ایسی بات بھی نہیں۔" فاروق نے کہا۔

"کیسی بات نہیں۔ وضاحت بھی تو کر دیا کرو نا۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"بھئی جھک بھی تو آخر ایک چیز ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ اگر کوئی بات نہیں سوجھ رہی تو خاموش بھی تو رہ سکتے ہو۔" محمود جل گیا۔

"اتنے لوگوں کے درمیان اور یہ خاموش رہ جائے۔ ناممکن۔" آصف نے گویا اعلان کیا۔

"یار فاروق۔ آج تو آصف کا دعویٰ غلط ثابت کر دو۔" محمود مسکرایا۔



"جو چیز ہے ہی غلط۔ اسے غلط ثابت کرنا بے وقوفی ہے۔" فاروق نے شوخ انداز میں کہا۔

"حد ہو گئی۔ ہم موٹے آدمی سے دور ہٹتے جا رہے ہیں۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"تم تو اس طرح کہہ رہی ہو جیسے موٹا آدمی پہلے ہمارے سامنے تھا اور اب نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔" فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

"میں کہتی ہوں۔ سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ موٹا اندر ہے یا نہیں۔"

"اور یہ ہم کس طرح معلوم کریں؟" شوکی بولا۔

"یہ معلوم کرنے کی ڈیوٹی میں فاروق اور آفتاب کی لگاتا ہوں۔" محمود نے بلند آواز میں کہا۔

"بک۔ کیوں۔ ہم سے کیا دشمنی ہے تمہیں؟"

"اگر یہ بات ہے تو میں اور آصف چلے جاتے ہیں۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

"شکریہ۔ ہم ڈرپوک نہیں ہیں۔ آؤ بھئی آفتاب۔" فاروق نے اس کا بازو پکڑا اور آگے کی طرف بڑھا۔

"لیکن ہمیں کسی نے ڈرپوک کب کہا ہے۔" آفتاب کے لہجے میں حیرت تھی۔

http://www.pakfunplace.com

"نہیں کہا تو کر سکتے تھے۔۔۔ان کا کیا جاتا ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"گویا پہلے ہی بندوبست کیا جا رہا ہے۔" مکھن ہنسا۔

"ابھی ابھی حوالات سے چلے آ رہے ہیں اور ہنسنے بھی لگ گئے۔" آصف نے منہ بنایا۔

"تو اور کیا کریں۔۔۔روئیں۔" اشفاق نے جلدی سے پوچھا۔

"ڈرو اس وقت سے جب تم پر عدالت میں قتل کا مقدمہ چلے گا۔" فاروق بولا۔

"اس وقت سے پہلے ہی اللہ نے چاہا تو ہم یہ کیس حل کر چکے ہوں گے۔" شوکی بولا۔

"ابھی کیا کہا جا سکتا ہے۔" فاروق نے سر کو جھٹکا دیا۔

فاروق اور آفتاب کوٹھی کے دروازے پر پہنچ گئے۔ باقی دروازے سے کافی فاصلے پر کھڑے تھے۔۔۔تاہم دروازہ انھیں صاف نظر آ رہا تھا۔

"اللہ کرے موٹا اندر ہی ہو۔" فرزانہ بولی۔

"آمین۔" سب نے ایک ساتھ کہا۔

عین اسی وقت انھوں نے دروازہ کھلتے دیکھا اور پھر فاروق اور آفتاب اندر داخل ہو گئے۔

"یہ ایک ہی۔۔۔انھیں اندر جانے کے لیے کس نے کہا تھا۔



ہے کوئی تک۔" آصف جھلا اٹھا۔

"میں نے انھیں بھیج کر غلطی کی۔ مجھے اور آصف کو جانا چاہیے تھا۔"

"اب پچھتانے کا کیا فائدہ۔۔۔اب تو ان کی واپسی کا انتظار کرو۔"

انھیں انتظار کرتے بہت دیر گزر گئی، لیکن دونوں لوٹ کر نہ آئے۔۔۔اب تو مارے فکر کے ان کا برا حال ہو گیا۔ محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"میں اور آصف جائزہ لیتے ہیں جا کر۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔۔۔وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔ محمود نے دستک دی۔۔۔دور کھڑے ہوئے ان کے ساتھیوں نے دروازہ کھلتا دیکھا اور پھر وہ بھی اندر داخل ہو گئے۔

"ائیں۔۔۔یہ ہو کیا رہا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اب ہم زیادہ دیر تک انتظار نہیں کریں گے۔۔۔پتا نہیں کیا چکر ہے۔" فرحت نے کہا۔

دو منٹ گزر گئے۔ محمود اور آصف بھی واپس نہ آئے۔ اب فرحت اور فرزانہ آگے بڑھیں۔۔۔شوکی برادرز نے انھیں بھی اندر جاتے دیکھا:

"وہ گئے ہم۔۔۔ہم کیا کریں۔" مکھن بولا۔

"ہم عقل استعمال کریں گے۔" شوکی بولا۔

"کیا مطلب۔۔۔کیا ہمارے ساتھیوں نے عقل استعمال نہیں

کی تھی۔"

"ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بہرحال ہم اندھا دھند آگے نہیں جائیں گے۔"

"تو پھر کس طرح جائیں گے؟" اشفاق نے منہ بنا کر کہا۔

"پہلے صرف میں جاؤں گا۔ مجھ سے قدرے فاصلے پر آفتاب ہو گا۔ اگر کسی وجہ سے ہم بھی اندر چلے جائیں، تو تم ہرگز دروازے کے نزدیک آنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"تو پھر۔ ہم کیا کریں؟"

"اخلاق یہاں ٹھہرے۔ اشفاق گھر فون کر کے بڑی پارٹی کو اطلاع دے۔ اور جب تک بڑی پارٹی نہ آ جائے۔ اس جگہ سے حرکت نہ کرے۔"

"اچھی بات ہے۔ ہم یہی کریں گے۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"ویسے میں محسوس کر رہا ہوں۔ وہ اندر داخل ہونے پر مجبور تھے۔ وہ کمزور، بزدل یا بے وقوف نہیں ہیں۔" شوکی نے قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔

دونوں پروگرام کے مطابق آگے بڑھے۔ مکھن کئی قدم کے فاصلے پر تھا۔ جب کہ شوکی نے دستک دی۔ دروازہ کھلا اور شوکی اندر داخل ہو گیا، لیکن آفتاب کچھ بھی نہ بھانپ سکا۔ لہذا الٹے قدموں ان دونوں کے پاس پہنچ گیا۔



"اب گھر فون کرنا ہی پڑے گا۔ میں کوئی اندازہ نہیں کر سکا کہ سب لوگ دروازہ کھلتے ہی اندر کیوں چلے جاتے ہیں۔"

"تو پھر تم دونوں یہیں ٹھہرو۔ میں فون کر کے آتا ہوں۔" اشفاق نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔"

اشفاق چلا گیا۔ مکھن کا مارے بے چینی کے برا حال تھا۔ آخر اس نے کہا:

"نہیں بھئی۔ نہیں۔"

"کیا مطلب؟" اخلاق نے حیران ہو کر بولا۔

"مجھ سے بھی نہیں رہا جا رہا۔ مجھے بھی اندر جا کر ہی چین آئے گا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" اخلاق بولا۔

اور مکھن بھی دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے بھی جا کر دستک دی اور دروازہ کھلنے پر اندر چلا گیا۔ اب دروازے سے کافی فاصلے پر صرف اخلاق کھڑا رہ گیا تھا، اور اسے انتظار تھا اشفاق کا۔

اچانک اس نے اپنے پیچھے آہٹ سنی۔

# نمونہ

اشفاق جب اس جگہ پہنچا تو اخلاق اور محسن وہاں نہیں تھے۔
"بابیں اخلاق۔ محسن۔ تم کہاں چلے گئے۔ کک۔ کہیں۔ تت۔ تم بھی تو اندر نہیں پہنچ گئے؟" اس کی آواز کانپ گئی۔

چند سیکنڈ تک وہ ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ اسی وقت اس نے ایک شریف صورت انسان کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ نہ جانے اسے کیا ہوا۔ یک دم تیز تیز قدم اٹھانے لگا:

"ذرا سنیے۔ میری ایک بات سنتے جایئے۔"

اشفاق کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس نے قدم اور تیز تیز اٹھا دیے:

"ارے بھئی ٹھہریے تو سہی۔"

اشفاق اور تیز ہو گیا اور جلد ہی اس نے محسوس کر لیا کہ درمیانی فاصلہ بڑھ گیا ہے۔ گویا تعاقب کرنے والے کی رفتار اس سے زیادہ تیز نہیں تھی۔ یوں بھی یہ دن کا وقت تھا۔ سڑک راہگیروں سے خالی نہیں تھی، اور پھر اشفاق بڑی سڑک پر آ گیا۔



اس نے فوراً مڑ کر دیکھا، وہ اب بھی اس کے تعاقب میں چلا آ رہا تھا۔ اشفاق کو اور تو کچھ نہ سوجھا۔ نزدیک سے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ دے دیا۔ جونہی وہ رکی۔ اس میں بیٹھ گیا اور بولا:

"جلدی چلو۔ بالکل سیدھے۔"

"جی بہتر" ڈرائیور نے اس کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھ کر گاڑی چلا دی۔ اشفاق نے ایک بار پھر مڑ کر دیکھا۔ وہ شریف صورت انسان سڑک کے کنارے کھڑا کسی ٹیکسی کے لیے جلدی جلدی ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اسے قدرے اطمینان کا احساس ہوا اور وہ ٹیکسی ڈرائیور سے بولا:

"درست۔ آپ کچھ اور تیز نہیں چل سکتے؟"

"چالان ہو گیا تو ذمے دار آپ ہوں گے؟"

"اچھا ٹھیک ہے۔"

"ایک چالان پر کم از کم دو سو روپے خرچ ہو جاتے ہیں؟"

"میں نقد ادا کروں گا۔" اس نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ آپ بھی کیا یاد کریں گے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

پیچھے کسی ٹیکسی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اشفاق نے گھر کے دروازے پر پہنچ کر ہی دم لیا۔ ٹیکسی رکنے سے پہلے وہ جیب

میں ہاتھ ڈال چکا تھا، لیکن اسے چکر سا آ گیا — کیوں کہ جیب میں پیسے نہیں تھے۔

"ایک منٹ جناب — شاید مجھے کچھ اور ساتھیوں کے ساتھ پھر وہیں جانا پڑے۔" یہ کہتے ہوئے وہ گھر کے اندر داخل ہو گیا — سب لوگ چلنے کے لیے تیار ہی تھے، اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"پہلے تو باہر کھڑے ٹیکسی ڈرائیور کا حساب کر دیں — میری جیب میں پیسے نہیں تھے۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

شوکی کے والد فوراً باہر کی طرف لپکے۔

"جلدی بتاؤ اشفاق — کیا معاملہ ہے۔" خان رحمان نے بے چین ہو کر کہا۔

اور اس نے یہ حیرت انگیز قصہ سنا دیا — سب کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے — اتنے میں مشتاق احمد خان آ گئے — انھوں نے بھی ساری بات سن لی، اور دھک سے رہ گئے۔

"ہمیں وقت ضائع کیے بغیر وہاں پہنچ جانا چاہیے۔" انسپکٹر کامران مرزا اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

وہ افراتفری کے عالم میں باہر نکلے اور پھر خان رحمان کی بڑی کار میں بیٹھ کر ہوا ہو گئے۔

"وہ لوگ چاہتے تھے — ان سب کو کوٹھی میں قید کر دیا جائے، تاکہ جب ہم پہنچیں تو ہمیں یہ بتانے والا کوئی نہ ہو کہ کوٹھی کونسی



ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"لیکن ان کا منصوبہ اشفاق نے ناکام بنا دیا، اور اب ہم اس کوٹھی تک ضرور پہنچیں گے۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"یہ اور بات ہے کہ اب ہمیں اس کوٹھی میں کوئی بھی نہ ملے — کیوں کہ اشفاق کے نکل آنے پر وہ سب کے سب چوکنے ہو گئے ہوں گے۔"

"اس قدر جلد وہ کس طرح فرار ہو سکتے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"ہو بھی سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

آخر وہ اس کوٹھی کے سامنے پہنچ کر کار سے اترے — اب آگے بڑھتے ہوئے اشفاق کو کوئی خوف محسوس نہ ہوا — انسپکٹر جمشید نے گھنٹی دی — ایک منٹ تک کوئی جواب نہ ملا — انھوں نے پھر گھنٹی دی — دروازہ بند بھی اندر سے تھا — لیکن کوئی جواب نہیں بول رہا تھا —

"اب کیا کیا جائے۔"

"اب ہم دروازہ توڑنے کے علاوہ کیا کر سکتے ہیں۔" خان رحمان نے جھلا کر کہا۔

"لیکن اب ہم سرکاری ملازم نہیں ہیں اور نہ ہمارے پاس خصوصی اجازت نامے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے گویا انھیں یاد دلایا۔

"اوہ —" ان کے منہ سے نکلا۔

عین اسی وقت انسپکٹر جلال نور کی آواز سنائی دی،
"یہاں کیا ہو رہا ہے — پُرامن شہریوں کو کیوں پریشان کیا جا رہا ہے؟"
انھوں نے مڑ کر دیکھا — انسپکٹر جلال نور پولیس کے ساتھ ان کے پیچھے موجود تھا۔
"اوہو — انسپکٹر صاحب — آپ ہیں — بہت اچھے موقع پر آئے ہیں — اس کوٹھی والوں نے ہمارے بچوں کو حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے۔
"لیکن کوٹھی والوں کا کہنا ہے کہ کچھ نامعلوم لوگ صبح سے انھیں بار بار پریشان کر رہے ہیں، کبھی وہ دروازہ دھڑ دھڑانے لگتے ہیں — تو کبھی توڑنے، اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں اور کانوں سے سن چکا ہوں کہ آپ توڑنے کی بات بھی کر رہے تھے اور اس سے پہلے دستک بھی دے چکے ہیں۔" انسپکٹر جلال نور کا لہجہ خشک تھا۔
"ابھی تک ہم نے توڑنے کی کوئی کوشش نہیں کی، اور دستک دینے کا حق ہم اس لیے رکھتے ہیں کہ ہمارے بچے —"
"ہاں ہاں! میں سن چکا ہوں — اگر آپ کے بچے اندر بند ہوئے تو میں ان کوٹھی والوں کو نہیں چھوڑوں گا، اور اگر کوٹھی والوں کا بیان درست ہوا تو آپ کو گرفتار کر کے رہوں گا۔"



"ضرور — کیوں نہیں۔" انھوں نے ایک ساتھ کہا۔
انسپکٹر جلال نور نے برا سا منہ بنایا اور آگے بڑھ کر دستک دی۔ جلد ہی دروازہ کھلا اور اشفاق حیران رہ گیا — یہ وہی شریف صورت آدمی تھا — جو اس کا تعاقب کرتا رہا تھا۔
"انکل — ہوشیار — یہ وہی ہے — جو میرا تعاقب کر رہا تھا۔"
"فکر نہ کرو۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔
"مسٹر خونی شاہ — آپ نے مجھے فون کیا تھا — کہ کچھ لوگ صبح سے پریشان کر رہے ہیں؟"
"ہاں انسپکٹر صاحب — بالکل یہی بات ہے۔"
"لیکن مسٹر شاہ — ان لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ نے ان کے بچوں کو قید کر رکھا ہے۔"
"توبہ توبہ — کس قدر گھناؤنا الزام ہے — آپ پہلے کوٹھی کی تلاشی لے لیں۔"
"شکریہ — ان لوگوں کو بھی ساتھ رکھنا ہو گا — اس کے دو فائدے ہوں گے — ایک تو یہ فرار نہیں ہو سکیں گے، دوسرے ان کا اطمینان ہو جائے گا اور پھر ہم انھیں گرفتار کر سکیں گے۔"
"مجھے کوئی اعتراض نہیں جناب۔" اس نے فوراً کہا۔
آخر وہ اندر داخل ہوئے — آگے بڑھنے سے پہلے

انسپکٹر جلالی نور نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت دی:

"تم لوگ بھی میرے ساتھ رہو۔"

"او کے سر۔"

اب انھوں نے کوٹھی کی تلاشی شروع کی۔ ایک ایک کمرے اور حصے کو اچھی طرح دیکھا گیا، لیکن ان کے ساتھیوں کا دور دور تک نام و نشان نظر نہ آیا۔

"اب آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟" جلالی نور کے طنز بھرے لہجے میں کہا، ساتھ میں مسکرایا بھی تھا۔

"یہ کہ ہمارے ساتھی اسی کوٹھی میں قید ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"پوری کوٹھی آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں اور پھر بھی یہی کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں! اس لیے کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے ان سب کو اندر تو داخل ہوتے دیکھا ہے۔" اشفاق نے [illegible] جلدی کہا۔

"تب پھر تلاش کر لیں۔" شریف صورت آدمی نے کندھے اچکائے۔

"اب ہم ذرا دوسرے طریقے سے تلاش کریں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنا کر کہا۔

"دوسرے سے کریں یا تیسرے سے۔" انسپکٹر جلالی نور نے کہا۔



"آپ کیا کام کرتے ہیں؟" انسپکٹر کامران مرزا خوفی شاہ کی طرف مڑے۔

"آپ یہاں اپنے بچوں کو تلاش کرنے آئے ہیں یا میرا جغرافیہ معلوم کرنے؟"

"فکر نہ کریں — ہم بچوں کو ہی تلاش کر رہے ہیں — پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اب ہم ذرا دوسرے طریقے سے تلاش کریں گے۔"

"اچھا ٹھیک ہے — کریں تلاش۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"تو بتائیں نا — آپ کیا کام کرتے ہیں۔"

"کپڑے کا — ٹھوک کا کام ہے میرا۔" اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"لیکن آج سے پندرہ سال پہلے تو آپ یہ کام نہیں کرتے تھے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" وہ اچھل پڑا — آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"جی ہاں! میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں — آپ پندرہ سال پہلے کپڑے کی ٹھوک تو کیا پرچون تجارت بھی نہیں کیا کرتے تھے۔"

"آپ انھیں بلاوجہ پریشان کر رہے ہیں — اگر پندرہ سال پہلے یہ کوئی اور کام کرتے تھے تو اس سے آپ کے معاملے پر کیا اثر پڑتا ہے۔" انسپکٹر جلالی نور نے جل بھن کر کہا۔

"بہت اچھا انسپکٹر صاحب — ابھی آپ دیکھ ہی لیں گے۔"

اب خوفی شاہ کا اطمینان رخصت ہو چکا تھا — پیشانی پر پسینہ چمک رہا تھا — اس کی بدلتی ہوئی حالت انسپکٹر جلالی نور سے بھی چھپی نہ رہ سکی —

"آپ کو کیا ہو گیا ہے مسٹر شاہ — آپ گھبرا کیوں گئے — یہ لوگ آپ کا کچھ بھی تو نہیں بگاڑ سکتے۔"

"ج — جی ہاں انسپکٹر صاحب — بہت بہت شکریہ — میں بالکل ٹھیک ہوں — آپ کے ہوتے بھلا مجھے ان کا کیا خوف ہو سکتا ہے۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"تب پھر ان کے سوال کا جواب دیں — پندرہ سال پہلے آپ کیا کام کرتے تھے؟"

"روئی کی تجارت۔"

"جھوٹ — سفید جھوٹ۔" انسپکٹر جمشید نے نعرہ لگایا۔

"کیا مطلب؟" جلالی نور نے چونک کر پوچھا۔

"میرا دعویٰ ہے — یہ حضرت کبھی بھی روئی کی تجارت نہیں کرتے رہے — اور کرتے رہے ہیں تو بتا دیں — کونسی جگہ ان کا دفتر اور کہاں گودام تھا۔"

انسپکٹر جلالی نور نے جلدی سے خوفی شاہ کی طرف دیکھا لیکن وہاں تو بارہ بج رہے تھے — آخر انسپکٹر جمشید بولے۔



"اب مجھے ہی بتانا پڑے گا — ان کی زبان تو کھل گئی۔"

"چلیے — آپ ہی بتا دیں۔" انسپکٹر جلالی نور نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"یہ حضرت اس وقت جیل میں تھے — اتنے سالوں بعد چہرے اور قد و قامت میں قدرے تبدیلی ضرور آ گئی ہے — لیکن ایسی بات بھی نہیں کہ میں اسے پہچان نہ سکوں — پوچھ لیں اسی سے — اس پر قتل کا مقدمہ تھا — پھر یہ جیل سے فرار ہو گیا — اور پولیس اب بھی اس کی تلاش میں ہے اور یہ یہاں عیش کر رہا ہے — لیکن حیرت ہے — اس کے پاس اس قدر دولت کہاں سے آ گئی۔" انھوں نے کوٹھی کی شان و شوکت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں مسٹر خوفی شاہ — کیا یہ باتیں درست ہیں؟"

"ہاں! درست ہیں۔" اس نے ڈوبتی آواز میں کہا۔

"اور کیا یہ بھی درست ہے — کہ ان کے بچے یہاں قید ہیں؟"

"ہاں! یہ بھی درست ہے — آئیے میرے ساتھ — میں آپ کو بچوں تک لے چلوں۔" اس نے مردہ آواز میں کہا۔

سب اس کے پیچھے چل پڑے — آخر وہ گودام میں داخل ہوا — ایک الماری میں ایک خفیہ راستا بنایا گیا تھا — اس کے دو

راستا کھول ڈالا — نیچے سیڑھیاں جاتی نظر آئیں۔

"جائیے — نکال لائیے اپنے بچوں کو۔" اس نے کہا۔

وہ جلدی جلدی نیچے اتر گئے — صرف انسپکٹر کامران مرزا اوپر رہ گئے۔

"آپ نہیں جائیں گے کیا؟" خوفی شاہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

"ضرور جاؤں گا — بچے میرے بھی نیچے قید ہیں — لیکن میں تمھارے بعد نیچے اتروں گا۔" وہ مسکرائے۔

"اوہ!" خوفی شاہ نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"ہم نے سوچا تھا — ہم سب اندھا دھند نیچے اتر جائیں گے اور تم فرار ہو جاؤ گے — لیکن ہم پہلے ہی اشاروں میں طے کر چکے تھے کہ میں اوپر ہی ٹھہر جاؤں گا۔"

"ہوں — ٹھیک ہے۔ آج شاید میرے ہار کا دن ہے۔" یہ کہہ کر وہ بھی تہ خانہ میں اترنے لگا — انسپکٹر کامران مرزا اس کے بعد اترے — نیچے سب بچے بندھے ہوئے تھے — ان کے منہ میں رومال بھی ٹھنسے ہوئے تھے۔

انھوں نے جلدی جلدی انھیں کھولا — اور پھر خوفی شاہ کی طرف مڑے:

"مسٹر خوفی شاہ — انھیں یہاں بند کرنے کی کیا ضرورت



تھی؟"

"تاکہ آپ لوگوں کو بھی یہاں لے آیا جائے — آپ لوگ ہمارے لیے بہت خطرناک ہو چلے تھے۔" خوفی شاہ نے بے خوفی کے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"ہمارا کام پروگرام کے مطابق ہوا ہے — اپنے چاروں طرف دیکھ لیں۔"

"چاروں طرف دیکھ لیں۔" وہ بڑبڑائے۔

اور پھر چاروں طرف دیکھا — تہ خانے کی دیواروں سے رائفلیں جھانک رہی تھیں — سوراخ چاروں طرف تھے — اور ایک جتنے فاصلے پر تھے —

"اگر آپ لوگ ہاتھ نہیں اٹھائیں گے تو ان نالوں سے گولیاں برسنا شروع ہو جائیں گے اور آپ گولیاں برسانے والوں کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے — جانی — ایک فائر ہو جائے۔" اس نے سخت انداز میں کہا۔

فوراً ہی گولی چلنے کا دھماکا ہوا اور گولی عثمان رحمان کے کندھے کے کپڑے کو چھوتی ہوئی دیوار میں جا گھسی۔

"ابھی نشانہ نہیں لیا گیا تھا — صرف نمونہ دکھایا گیا ہے — اب آپ کا کیا خیال ہے ہاتھ اوپر اٹھا دینے کے بارے میں؟"

بے چارگی کے عالم میں ان کے ہاتھ اوپر اُٹھ گئے — خوفی شاہ ان سے پہلے ہی الگ جگہ پر کھڑا تھا



# بس ایک رومال

"اب ان سب لوگوں کو باندھنا بھی ہو گا — ببتی جابلی — ٹوٹی — میں اکیلا اتنے لوگوں کو کس طرح باندھوں — اب تم اتنے بھی کم تعداد نہیں ہو کہ دو آدمی یہاں نہ آ سکیں:

فوراً ہی سیڑھیوں سے دو آدمی اترتے نظر آئے — ان کے ہاتھوں میں رسیوں کے بڑے بڑے گولے تھے — سوراخوں سے ابھی تک رائفلیں جھانک رہی تھیں اور ان کی تعداد بارہ کے قریب تھی — انھیں مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا گیا — پھر خوفی شاہ کی آواز ابھری:

"تم لوگ سمجھ رہے ہو گے کہ ہم انھیں مکمل طور پر باندھ چکے ہیں، لیکن یہ بات ہے نہیں — ہم انھیں تہ خانے میں بند کر کے چلے جائیں گے اور یہ رسیاں کھول لیں گے — نہیں کاٹ لیں گے۔"

"جی — وہ کیسے؟" ان میں سے ایک نے کہا۔

"ارے جابلی — تم اتنی بھی نہیں جانتے — ان میں ایک

http://www.pakfunplace.com
Scanned by ... Alvi

صاحب ہیں — ان کا نام محمود ہے — خطرات میں کود جانے والے۔ ان کے جوتے صاحب کی ایڑی میں ایک عدد چاقو آرام فرمایا کرتے ہیں — ایسے موقعوں پر یہ وہ چاقو نکال لیتے ہیں، اور رسیاں کاٹ لیتے ہیں، لیکن آج میں انھیں ایسا نہیں کرنے دوں گا — جابی — یہ مبارک کام تم کرو — اس کے جوتے کی ایڑی سے چاقو نکال لو۔"

جابی آگے بڑھا اور محمود کے جوتے کی ایڑھی سرکا کر چاقو نکال لیا۔

"اب دیکھیں گے — کیسے رسیاں کھول لیتے ہیں یہ لوگ۔ آؤ چابیں — ہمیں تو ابھی وہاں بھی جانا ہے۔"

"وہاں — کیا مطلب استاد؟" جابی نے جلدی سے کہا۔

"ارے بھئی وہیں — بس سمجھ جاؤ۔"

"اور اگر سمجھ نہ سکو تو مجھ سے پوچھ لو۔" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنا کر کہا۔

"کیا مطلب — آپ کس طرح بتا سکتے ہیں کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔"

"کیوں نہیں بتا سکتے — آخر ہم سراغ رساں ہیں — کوئی ایوے نہیں ہیں۔" وہ مسکرائے۔

"چلیے بتائیے پھر۔" خوفی شاہ ہنس اٹھا۔



"تم لوگ ریگستان جا رہے ہو — میں غلط تو نہیں کہ رہا؟"

خوفی شاہ کی آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں نظر آنے لگیں، اس نے پھنکار کر کہا:

"چلو — یہ درست ہو گا، لیکن تم یہاں سے نکل کر اس طرف نہیں آ سکو گے — یہ رسّی برادر بدستور ان سوراخوں کے دوسری طرف موجود رہیں گے — سنا تم نے۔" اس نے چلا کر کہا۔

انھوں نے کوئی جواب نہ دیا — خوفی شاہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے ساتھیوں نے اس کا ساتھ دیا، ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا بولے:

"بھئی اتنا تو بتاتے چلو — ریگستان میں ہو کیا رہا ہے؟"

"تمھارے ملک کو قبرستان بنانے کی تیاریاں ہو رہی ہے وہاں — ہمت ہے تو ایسا نہ ہونے دو۔" خوفی شاہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہم کون ہوتے ہیں بچانے والے — اللہ بچائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے — پکارتے رہو اپنے اللہ کو — ہم تو چلے ریگستان —"

اور وہ تہ خانے سے نکل گئے — دروازہ بند ہو

گیا۔ رائفلوں کی نالیں اب تک جھانک رہی تھیں۔

"رائفلوں کے دوسری طرف جو لوگ ہیں، وہ ہماری آواز سن سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر کہا۔

"نہیں جناب — ہم بہرے بھی ہیں، اور گونگے بھی۔"

"اللہ کی شان ہے — گونگا کس طرح فر فر بول رہا ہے؟" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔" باہر سے آواز آئی۔

"ہاں، ابھی تو بھائی گونگے طوطے کی بولی بھی بول کر دکھائیں گے۔" آفتاب نے جل کر کہا۔

انسپکٹر جمشید نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انھیں بھی اشارہ کیا کہ بات چیت جاری رکھی جائے — چنانچہ آصف نے فوراً کہا۔

"آپ نے کوئی جواب نہیں دیا؟"

"کس بات کا جواب — بتا تو چکے ہیں کہ ہم گونگے اور بہرے ہیں — آپ کی باتوں کے جوابات دینا ہمارے بس کی بات نہیں۔"

"اچھا صرف اتنا بتا دو کہ ریگستان میں کیا ہو رہا ہے؟"

"ہمارے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم، استاد خونی شاہ کو بھی معلوم نہیں — آپ کو کیا بتا سکتے ہیں۔" ایک اور آواز ابھری۔

"اچھا تو یہ بتا دیں — ان رائفلوں میں گولیاں بھی ہیں یا



"بس یونہی۔" بکسن بولا۔

"گولی کی آواز سنی نہیں تھی؟"

"ایک گولی کی آواز سے ہمارا کیا بنتا ہے — ہم تو دن رات موسلا دھار آوازیں سنتے رہتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہماری رائفلوں میں گولیاں نہیں ہیں؟"

"ہمارا خیال یہی ہے۔"

"تو پھر ہم فائر کر کے دکھاتے ہیں — فائر کرو بھئی۔"

فوراً ہی بارہ گولیاں چلیں — گولیاں دیواروں سے ٹکرائیں — وہ تو فرش پر لیٹے تھے — ان کو تو لگ نہیں سکتی تھیں۔

"ایک بار اور۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"اب ہم اتنے بھی بے وقوف نہیں کہ رائفلیں خالی کر ڈالیں۔" باہر سے تلملا کر کہا۔

"خیر بھئی — ہمیں یقین آ چکا ہے — کہ ان میں ابھی گولیاں ہیں، اور تم لوگ ہمارے سروں پر بھی موجود ہو — لیکن ہمارے کھانے پینے کا کیا ہو گا۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"ابھی سے کھانے پینے کی پڑ گئی — کمال ہے۔" باہر سے کسی نے کہا۔

"ہاں، مجبوری ہے — ہم میں ایک دو حضرات ایسے ہیں — جو بھوک برداشت نہیں کر سکتے۔" محمود مسکرایا۔

"ہو جائے گا انتظام —" اکتا کر کہا گیا۔

"کیوں نہ آپ لوگ اور ہم لوگ مل کر ریگستان کی طرف چلیں۔" ایسے میں آفتاب نے تجویز پیش کرنے کے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"مطلب یہ کہ ذرا دیکھیں تو سہی — وہاں ہو کیا رہا ہے؟"

"نہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔" جھلا کر کہا گیا۔

"کیوں — کیا تم اس ملک میں نہیں رہتے؟"

"ہاں کیوں رہتے ہیں — ہم تو پیدا یہیں ہوئے تھے۔"

"پھر — فرض کرو — ریگستان میں ملک کو تباہ کرنے کا کوئی منصوبہ ترتیب دیا جائے تاکہ —— اور وہ لوگ پورے ملک کو تباہ کرنے والے ہیں۔ کیا اس صورت میں بھی تم لوگوں کو کوئی دلچسپی نہیں ہو گی۔" شوکی نے جل بھن کر کہا۔

"ہم جانتے ہیں — ایسی کوئی بات نہیں ہے — اگر ہو گی بھی تو ہمیں پہلے نکال لیا جائے گا۔"

"کیوں — بھلا وہ یہ رعایت کیوں کریں گے؟"

"اس لیے کہ ہم نے ان کے لیے کام کیا ہے — ان سے وفاداریاں کی ہیں — وہ کبھی ہم سے دھوکا نہیں کریں گے۔"



"بجا کہتے ہو —" خان رحمان چلا اٹھے۔

"کیا مطلب؟" ایک نے چونک کر کہا۔

"تم نے تو اپنے ملک سے وفاداری نہیں کی — لہٰذا جب ان کا مقصد پورا ہو جائے گا تو وہ تم لوگوں سے بھی چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"نہیں — ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"خیر — جب ایسا ہو جائے تو ہماری باتیں تم لوگوں کو بری طرح یاد آئیں گی — لیکن وقت گزر چکا ہو گا — تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔"

"تم ہمیں ورغلانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"اچھا ٹھیک ہے — اب ہم کوئی بات نہیں کریں گے۔" محمود نے جھلا کر کہا

"نہیں بھئی — ان پر نہ بگڑو۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

محمود ان کا اشارہ سمجھ گیا — ان کا مقصد تھا — ان لوگوں کو بے مقصد باتوں میں لگائے رہو۔

"جی بہتر —— اچھا بھئی — ایک بات تو بتاؤ — اگر انھیں تم لوگوں پر اعتبار ہے — تو تمھیں یہ کیوں نہیں بتایا کہ ریگستان میں کیا ہو رہا ہے؟"

یہ راز تو استاد کو بھی نہیں بتایا گیا ہے۔
استاد بھی تم ہی میں سے ایک ہے۔ وہ تم سے الگ نہیں،
قتل کا مجرم تھا۔ ان لوگوں نے اسے پناہ دے کر اپنے ساتھ ملا
لیا ہو گا کہ پولیس سے بچائے رکھیں گے۔ اور کیا چاہیے،
وہ انہیں۔ استاد فوراً ان کے ساتھ مل گیا ہو گا اور پھر
اس نے تم لوگوں کو بھی شامل کر لیا۔"

"ہوں! شاید ایسا ہی ہوا ہے۔ تب بھی ہمیں کوئی فرق
نہیں پڑے گا۔" کسی نے کہا۔

"جب لوگوں کی عقل ماری جاتی ہے، تو پھر کسی کی
ویسے درست نرمی بات بھی درست نہیں لگتی۔ وہی حال تم لوگوں
کا ہے۔"

"ہو سکتا ہے یہی بات ہو، لیکن ہم یقین کرنے کے
لیے تیار نہیں ہیں۔"

"جیسے تم لوگوں کی مرضی۔ ہم تو صرف اور صرف اسی لیے
میں ہیں کہ ریگستان میں کیا ہو رہا ہے۔" آصف نے کہا۔

"جب کہ تم لوگوں کو صرف اور صرف یہ سوچنا چاہیے
کہ تمہارا اب کیا انجام ہو گا۔"

"زیادہ سے زیادہ کیا انجام ہو گا، ایک دن تو ہمیں آخر مرنا
ہی پڑے گا۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہم بے بسی



کی موت مریں گے۔ کاش ہم تم لوگوں سے لڑتے بھڑتے
شہید ہوتے۔"

"ہمیں جو علم ملا ہے، اس پر عمل کر سکتے ہیں۔" کسی
کے منہ سے نکل گیا۔

"علم ملا ہے۔ کیا مطلب۔ کیا علم ملا ہے؟"

"یہی کہ رات کے بارہ بجے تم لوگوں کو یہیں کا توں
چھوڑ کر نکل جائیں گے۔ اگر تم لوگوں کی قسمت۔ سسک
سسک کر مرتے ہو یا کسی طرح نکل جانے میں کامیاب ہو
جاتے ہو۔"

"اور تم لوگوں کو بھی ریگستان پہنچنا ہے۔" انسپکٹر جمشید جلدی
سے بولے۔

"ہاں بالکل۔"

"اچھا بھائی۔ اب ہم تم سے کیوں مغز ماریں۔ تم لوگوں کا
بھی آخر کیا قصور۔" آفتاب اکتا کر بولا۔

اور تہ خانے میں موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی۔
جیسے ہر شخص سوچ میں گم ہو گیا ہو۔ اس دوران انسپکٹر جمشید
اور انسپکٹر کامران مرزا بدستور اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتے رہے
تھے۔ بندھواتے وقت دونوں کلائیوں کے درمیان ہاتھوں کے
ذریعے قدرے فاصلہ رکھنے کے وہ ماہر تھے، اور اسی

ترکیب کے ذریعے کئی مرتبہ اپنے ہاتھوں کو آزاد کرا چکے تھے۔ لیکن اس ترکیب سے وقت نسبتاً زیادہ لگتا تھا۔۔۔ اگر دشمن جوتے کی ایڑی میں چاقو چھوڑ جاتے تو یہ کام بہت جلد ہو جاتا۔۔۔ بہرحال ان دونوں نے اپنے ہاتھ رسی سے آزاد کرا ہی لیے، اور پھر باری باری وہ دوسروں کے ہاتھ کھولتے چلے گئے۔۔۔ تاہم وہ جوں کے توں بیٹھے رہے۔۔۔ انھوں نے ذرا بھی حرکت نہ کی۔۔۔ حرکت کرتے بھی کیسے۔۔۔ اس صورت میں تو رائفلیں چل جاتیں۔۔۔

سب آزاد ہو گئے تو انھوں نے سوالیہ انداز سے انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران کی طرف دیکھا، جیسے پوچھ رہے ہو۔۔۔ اب کیا کریں۔۔۔

انسپکٹر جمشید نے انھیں اشاروں میں بتایا کہ کیا کرنا ہے۔ اور پھر جونہی اشارہ دیا گیا، سب کے سب رائفل کی نالوں کی طرف چھلانگیں لگا دیں۔۔۔ دوسرے ہی لمحے ان کے ہاتھوں نے نالوں کو مضبوطی سے پکڑ کر ان کے رخ اوپر کی طرف کر دیے۔۔۔ اور قدرے اندر کی طرف بھی کھینچ لیں۔۔۔ فوراً بارہ فائر ہوئے، ادھر انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور خان رحمان نے تہ خانے کے دروازے کی طرف چھلانگیں لگا دیں۔۔۔ وہ ایک ساتھ دروازے سے جا کر ٹکرائے۔۔۔ دروازہ



اکھڑ کر دوسری طرف گرا اور تہ خانے سے نکلتے ہی وہ اس برآمدے میں آ گئے۔۔۔ جس میں وہ بارہ آدمی رائفلیں کھینچ لینے کے لیے اپنا پورا زور لگا رہے تھے۔۔۔ انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ان پر ٹوٹ پڑے۔۔۔ ایک منٹ بعد ہی وہ بارہ آدمی لیٹے ہوئے تھے اور تہ خانے کے قیدی باہر نکل رہے تھے۔

"انسپکٹر صاحب۔۔۔ اب آپ کا کیا پروگرام ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے جلالی نور کی طرف دیکھا۔

"ہم۔۔۔ میں۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا"۔

"ان لوگوں کو گرفتار کر کے لے جائیں۔۔۔ انھوں نے ہمارے بچوں کو قیدی بنا رکھا تھا۔۔۔ فائرنگ کر کے ہم سب کو ہلاک کرنے کی کوشش بھی کی"۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔ ریگستان کا کیا کرنا ہے"۔ انسپکٹر جلالی نور بولے۔

"ابھی تک یہ معاملہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔۔۔ تاہم ہم اس وقت ریگستان کی طرف جا رہے ہیں"۔

"آپ لوگ کس طرح جا سکتے ہیں۔۔۔ جب کہ سرکاری ملازمت میں نہیں ہیں"۔

"بے شک نہیں ہیں، لیکن ہم اس ملک کے وفادار تو ہیں۔۔۔ ہمارے ملک کو اگر کسی جگہ نقصان پہنچانے کا کوئی

انتظام ہو رہا ہے۔۔ تو ہم اس انتظام کو درہم برہم کیے بغیر کس طرح رہ سکتے ہیں۔۔ باقی رہے آپ۔۔ آپ جانیں۔۔ آپ کا کام۔۔ وقت کی حکومت کیا فیصلہ کرتی ہے اور کیا نہیں کرتی ۔۔ ہم اس بات کے انتظار میں وقت ضائع نہیں کریں گے ۔۔ وقت ضائع کرنے کی صورت میں نہ جانے کیا ہو جائے۔"

"شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن۔۔ شوکی برادرز پر قتل کا مقدمہ ہے۔"

"یہ اب ضمانت پر ہیں، اور آپ انھیں ہمارے ساتھ جانے سے روک نہیں سکتے۔"

"ہو سکتا ہے۔۔ یہ ریگستانی علاقے کے ذریعے ملک سے فرار ہونے کی کوشش کریں۔"

"اس صورت میں عدالت ضمانت دینے والے کو پکڑے گی، آپ پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔"

انسپکٹر جلالی نور لاجواب ہو گیا اور سر کو جھٹک کر اپنے ماتحتوں کو بے ہوش مجرموں کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

انھوں نے فوری طور پر ریگستان کا رخ کیا۔۔ شوکی انھیں راستا بتا رہا تھا:

"تم لوگ کوٹھی کے اندر داخل ہونے پر کیوں مجبور ہوئے تھے



بھئی؟" خان رحمان نے پوچھا۔

"دراصل باہر دو آدمی پستول لیے کھڑے تھے۔۔ وہ اندر داخل ہونے کے لیے کہہ رہے تھے۔۔ ورنہ گولی چلانے کی دھمکی دیتے تھے۔" محمود نے کہا۔

"اب سوال یہ ہے کہ ہم ریگستان میں داخل کس طرح ہوں گے۔ اول تو ریگستان پر دشمن فوج قابض ہے۔۔ دوسرے ہمارے ملک کی سرحد بھی درمیان میں ہے۔۔ ہمیں تو اپنے ملک کی فوج ہی آگے نہیں بڑھنے دے گی۔" بکمن فکر مندانہ انداز میں بولا۔

"یہ ہم وہاں پہنچ کر دیکھیں گے۔۔ یہاں نہیں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"یہ کیس بھی عجیب ترین کیس ہے شاید۔۔ ہم لیاقت تاج کے قاتل کا پتا تک نہیں لگا سکے۔۔ نہ اس آدمی کی تلاش کر سکے۔۔ جو ہمارے پاس آیا تھا۔۔ یعنی فرضی رضوان شاہی۔" شوکی بولا۔

"تلاش کرتے بھی کیسے۔۔ سراغ لگاتے بھی کس طرح۔۔ وقت ہی کب ملا ہے۔۔ یہاں آنے سے پہلے بھی الجھے ہوئے تھے۔۔ یہاں آ کر اور الجھتے چلے گئے۔۔ رہی سہی کسر مسٹر فوقی شاہ نے پوری کر دی۔"

"میں نے ایک اندازہ قائم کیا ہے۔۔ جو غلط بھی ہو سکتا

ہے۔ ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا کی آواز ابھری۔

"بس ہو چکا آپ کا اندازہ تو غلط۔" آفتاب منہ بنا کر بولا۔

"نہیں بھئی۔ میں بھی آخر انسان ہوں۔" انھوں نے ہنس کر کہا۔

"اور میں بھی۔" انسپکٹر جمشید بھی رہ نہ سکے۔

"چلیے خیر۔ پہلے آپ اپنا اندازہ تو بتایئے۔"

"یہ ریگستان پہلے ہمارے ملک میں شامل تھا۔ لیکن وہ فائل اس سے بھی پہلے کی ہے۔ جب یہ پورا ٹکڑا ایک بہت بڑا ملک تھا۔ پھر مسلمانوں کا الگ وطن بن گیا، اور ریگستان بھی ہمارے حصے میں آ گیا۔ اس ریگستان کی کوئی نہ کوئی اہمیت ضرور ہے۔ اس اہمیت کے بارے میں دشمن ملک کو علم ہو گیا۔ اور اس نے ریگستان پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ اس نے لڑائی چھیڑ چھاڑ کے انداز میں شروع کی۔ اور ہمارے ملک کی حکومت کو اس کی اہمیت کا احساس تک نہ ہوا۔ حکومت یہی خیال کرتی رہی کہ یہ لڑائی فوجیوں کی چھیڑ چھاڑ کے نتیجے میں شروع ہو گئی تھی، اور آخر ایک بے کار ٹکڑے کے لیے انسانی جانوں کا نقصان برداشت نہ کرتے ہوئے ہم پیچھے ہٹ گئے۔ اس طرح یہ بے کار ٹکڑا دشمن کے قبضے میں چلا گیا۔ مجھے اخبارات کی خبریں اچھی طرح یاد ہیں۔ شروع میں اس ریگستان کی سرحد



پر فوجیوں کی چھیڑ چھاڑ کی خبریں چھ ماہ تک آتی رہی تھیں۔ پھر اس چھیڑ چھاڑ نے باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ اور اس جنگ میں ہم نے شکست صرف اس خیال سے کھا لی کہ آخر ہم ایک ریگستانی ٹکڑے کے لیے اپنے فوجی کیوں کٹوائیں۔"

"اوہ۔ اوہ۔" ان سب کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"آپ کا اندازہ بالکل درست جا رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پرجوش آواز میں کہا۔

"تو آپ نے بھی قریب قریب اسی قسم کا اندازہ لگایا ہے؟" محمود نے فوراً کہا۔

"کیا کروں۔ مجبور ہوں۔ قریب قریب بھی اندازہ لگانے پر۔" انھوں نے بے چارگی کے انداز سے کہا اور وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

"آگے چلیے انکل۔" فرزانہ بولی۔

"ریگستانی ٹکڑا انھوں نے حاصل کر لیا۔ لیکن اس میں وہ اہم جگہ تلاش نہ کر سکے۔ یا تو ان سے وہ نقشہ گم ہو گیا۔ یا ضائع ہو گیا۔ اب انھیں کسی طرح معلوم ہوا کہ ہمارے محکمہ خارجہ کے دفتر میں ایک فائل موجود ہے۔"

"لیکن کس طرح آپا جان!" آفتاب بے تاب ہو کر بولا۔

"ابھی تک ہم یہ نہیں جان سکے۔ لیکن جان لیں گے۔ فکر نہ کرو۔ اس وقت اس جملے کو اسی طرح چلنے دو۔ کہ کسی طرح انھیں اس فائل کے بارے میں معلوم ہو گیا۔ پُراسرار طریقے سے فائل حاصل کر لی گئی۔ اس فائل کے ذریعے خالد درانی کے تہ خانے تک پہنچا گیا۔ وہاں سے کوئی اہم چیز حاصل کی گئی۔ اب اس اہم چیز کے ذریعے ریگستان میں اس جگہ تک پہنچنے کی کوشش ہو رہی ہو گی۔" انسپکٹر کامران مرزا ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔

"یہ سب تو ٹھیک ہے ابا۔ لیکن آپ نے تو ہماری بے چینی اور بڑھا دی ہے۔ اب ہم کیا کریں۔ ہم اڑ کر اس جگہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ نہ آپ اس وقت سرکاری حیثیت میں ہیں جو حکومت وقت کو ریگستان پر اچانک حملے کا مشورہ دے سکیں۔"

"اس کے باوجود۔ ہم دور کے بیٹھے ہیں خیال نہیں کر سکتے۔ ہم سے جو کچھ ہو سکا۔ کریں گے۔ چاہے موت کو گلے لگانا پڑے۔ وطن کے بیٹے مرد ہیں کچھ کر گزریں گے۔" انسپکٹر جمشید نے پرجوش انداز میں کہا۔

"اللہ ہماری مدد فرمائے۔" فرحت بولی۔

"ہاں! یہ ہے کام کی بات۔"

"اور دیکھیے۔ ہم سرحد کے نزدیک پہنچ گئے۔ اب ہمیں رکنے



"عمل شروع ہو جائے گی۔"

"مشکل۔ دشمن ایسی سمت نہیں ہو سکتی۔ جہاں ہمیں روکا نہ جائے اور ہم سرحد پار کر جائیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

شوکی سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر اس نے کہا۔

"ہمیں بہت لمبا چکر کاٹنا پڑے گا۔ پھر بھی کچھ فوجیوں کا سامنا تو کرنا ہی ہو گا۔"

"خیر۔ ان کا سامنا ہم کر لیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر کہا۔

"تو پھر آئیے۔ لیکن اب ہمیں پیدل چلنا ہو گا۔"

"ہائے مارے۔" فاروق گھبرا گیا۔

"ارے۔ تو پیدل چلنے سے ہی مارے جا رہے ہیں۔ دشمن کے مقابلے میں کیا کریں گے۔" محمود مسکرایا۔

"برا ہو اس جینڈکی کو بھی زکام۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ باتیں پھر کسی وقت۔ ہم بہت نازک مقام پر ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے دبی آواز میں کہا۔

اور پھر انھیں ایک بہت لمبا چکر کاٹنا پڑا۔ سرحد اب ان کے سامنے تھی اور چند فوجی سرحد پر ٹہل رہے تھے۔ دوسری طرف دشمن کے فوجی بھی موجود تھے۔

"دیکھیے۔ یہاں تک تو ہم پہنچ گئے۔ اب آپ جانیں آپ

کا کام۔"

"ہاں ضرور کیوں نہیں۔ سب لوگ یہیں ٹھہریں۔ صرف میں آگے جاؤں گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔ وہ خالی ہاتھ تھے، اور پرسکون انداز میں قدم اٹھا رہے تھے، اس وقت تک فوجی بھی انھیں دیکھ چکے تھے۔

"خبردار۔ اب اور آگے نہ بڑھنا۔" اچانک ایک فوجی نے چلا کر کہا اور اس کی رائفل ان پر تن گئی۔

"بہت بہتر۔ نہیں بڑھوں گا۔ آپ نزدیک آ جائیں۔"

"مجھے تو آنا ہو گا۔" اس نے کہا اور قریب آ گیا۔

"کون ہو تم لوگ اور یہاں کیوں آئے ہو۔"

"یہ راز کی بات ہے۔ بہت آہستہ آواز میں بتانی ہو گی، کہیں دشمن فوجی نہ سن لیں۔"

"کیا مطلب؟" فوجی نے بھی چونک کر کہا۔ اس مرتبہ وہ دبی آواز میں بولا۔

انسپکٹر جمشید نے پہلے تو اپنا تعارف کرایا، پھر اپنے آنے کا گول مول انداز میں مقصد بتایا۔

"حد ہے۔ تو آپ سرحد پار کے ریگستان میں جانا چاہتے ہیں؟" اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"ہاں! بالکل۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

(This Book Must Be Returned



"نہیں نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم آپ کو اس کی اجازت نہیں دے سکتے۔"

"آپ ہمیں اپنے افسر سے ملا دیں۔ میں ان سے بات کر لیتا ہوں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔ میرے ساتھ آئیں۔ باقی لوگ یہیں ٹھہریں گے۔"

"اچھا!" وہ بولے۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کو وہیں ٹکے رہنے کا اشارہ کیا۔ جلد ہی وہ ایک خیمے میں داخل ہو رہے تھے۔ اندر ایک کیپٹن موجود تھا۔

انھوں نے ایک بار پھر اپنا تعارف کرایا اور بتایا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

"بھلا ہم کس طرح اجازت دے سکتے ہیں۔"

"یہ معاملہ ملک اور قوم کا ہے۔ میرا یا آپ کا نہیں۔"

"پھر بھی۔ آپ کے پاس حکومت کی طرف سے کوئی اجازت نامہ وغیرہ تو ہونا چاہیے۔"

"اب آپ کو اور تفصیل سنانا ہو گی۔" وہ مسکرائے۔

"تو سنائیے نا۔ منع کس نے کیا ہے۔"

انھوں نے پوری تفصیل سے بات اسے سمجھائی۔ اب تو اس کا چہرہ اور بھی لٹک گیا۔

"پہلے تو شاید میں آپ لوگوں کو سرحد پار کرنے کی اجازت دے بھی دیتا، لیکن اب ایسا نہیں کروں گا۔ آپ لوگوں کی تو کوئی بھی سرکاری حیثیت نہیں ہے۔"

"جی ہاں! یہ تو ہے، لیکن ہم ملک اور قوم کے کچھ کام آنا چاہتے ہیں — ابھی ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ ریگستان دشمن کے قبضے میں رہنے سے ہمیں کیا نقصان ہو رہا ہے، یا کیا ہو چکا ہے، لیکن ہم جلد ہی یہ بات بھی معلوم کر لیں گے — بس ایک بار ہم اس طرف پہنچ جائیں۔"

"اس طرف پہنچ کر بھی کام اتنا آسان نہیں ہو گا — وہاں موجود فوجیوں کا آپ لوگ کیا کریں گے۔"

"ان کی آپ فکر نہ کریں — یہ ہمارا کام ہے۔" وہ بولے۔

"افسوس! میں ضابطے کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا — یہ اشارہ تھا کہ اب آپ جا سکتے ہیں۔

"مجھے افسوس ہے کپتان صاحب — میں نہیں جا سکتا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" کیپٹن چونکا۔

"میں آپ کو پوری تفصیل سنا چکا — جو حد درجے خوف ناک ہے، لیکن آپ نے کوئی اثر ہی نہیں لیا۔"



"یہ بات نہیں — میں نے اثر لیا ہے — آپ کے جاتے ہی میں اپنے افسران کو فون کروں گا اور شاید ہم ایک بار پھر ریگستان پر قبضہ کرنے کی کوشش شروع کر دیں گے۔"

"اس سے کچھ نہیں ہو گا — دشمن ملک بھی آپ کے مقابلے میں فوج لا کر کھڑی کر دے گا اور یہ جنگ مہینوں جاری رہے گی — تو پھر — اس کا کیا فائدہ ہو گا — یہ لوگ تو اپنا مقصد حاصل کر لیں گے اور مقصد حاصل کرنے کے بعد اگر انھوں نے ریگستان خالی کر بھی دیا تو ہمیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن میں ایک غیر قانونی کام کی آپ کو اجازت کس طرح دے سکتا ہوں۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں — خیر — ہم ایک دوسرا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔"

"دوسرا طریقہ — کیا مطلب؟" اس نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

"یہ دیکھیے — میرے ہاتھ میں کیا ہے۔" وہ ایک قدم آگے بڑھ کر بولے۔

کیپٹن نے ان کے ہاتھ کی طرف دیکھا — اس میں ایک سفید رومال تھا —

"یہ کیا — یہ تو بس — ایک رومال ہے۔"

"ہاں! ہے تو یہ بس ایک رومال — لیکن۔"

لیکن سے آگے انھوں نے کچھ بھی نہ کہا اور رومال یک دم اس کی ناک پر رکھ دیا —

"ارے یہ — یہ —"

اس کی آواز دب گئی اور وہ ریت کی بوری کی طرح گرتا چلا گیا —

"معاف کرنا دوست میں ایسا کرنے پر مجبور تھا۔" انھوں نے آہستہ آواز میں کہا اور پھر خیمے کے دروازے میں ذرا سی جھری کر کے باہر جھانکا — باہر کوئی نہیں تھا، البتہ کافی فاصلے پر ایک فوجی اکڑا کھڑا تھا — وہ سوچ میں ڈوب گئے کہ اب کیا کریں — آخر وہ دبے پاؤں اس فوجی کے پیچھے پہنچ گئے اور رومال کے ذریعے اسے بھی بے ہوش کر دیا — اب وہ چکر کاٹ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور قدرے بلند آواز میں بولے:

"آئیے بھئی — کپتان صاحب نے ہم سب کو بلایا ہے۔"

ان کی آواز سرحد پر کھڑے فوجیوں نے بھی سن لی — وہ پرسکون انداز میں کھڑے رہے — انسپکٹر جمشید اپنے ساتھیوں کے ساتھ خیمے میں آ گئے۔



"ارے یہ کیا!" شوکی کے منہ سے مارے گھبراہٹ کے نکلا۔

"بھئی خود پر قابو رکھو — بعض اوقات ملک اور قوم کے لیے ایسے قدم بھی اٹھانا پڑتے ہیں — اب مجھے کیپٹن کا میک اپ کرنا ہے اور انسپکٹر کامران مرزا کو باہر موجود فوجی کا — پھر ہم دونوں باقی لوگوں کو ساتھ لے کر سرحد کی طرف جائیں گے — اور فوجی ہمیں روک نہیں سکیں گے۔"

"لیکن انکل — دن کی روشنی میں ہم دشمن کے علاقے میں کس طرح داخل ہو سکیں گے۔" آصف نے اعتراض کیا۔

"ہم رات ہونے کا انتظار کریں گے — تم فکر نہ کرو — خان رحمان — باہر بے ہوش پڑے فوجی کو اٹھا لاؤ — خیال رہے — تمہیں ایسا کرتے کوئی دیکھ نہ لے۔"

"اچھی بات ہے —" انھوں نے کہا اور باہر نکل گئے — اب میک اپ کا عمل شروع ہوا —

"آصف! تم دروازے پر موجود رہو اور جھری بنا کر باہر دیکھتے رہو۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھا —

ایک گھنٹے کے بعد انسپکٹر جمشید کیپٹن نظر آ رہے تھے — اور انسپکٹر کامران مرزا فوجی —

"بہت خوب — مزا آ گیا۔" پروفیسر داؤد خوش ہو کر بولے۔

"خان رحمان۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ اب تمھارا کام شروع ہونے والا ہے۔ لہٰذا تم بھی تیاری کرو۔ اس خیمے میں جتنی رائفلیں ہیں، جتنی گولیاں ہیں۔ اپنی اس ننھی سی فوج میں تقسیم کر دو، اور انھیں ہدایات دینے کا کام بھی یہیں سے شروع کر دو۔ ہم نہیں جانتے۔ ریگستان میں دشمن کی کتنی فوج موجود ہے۔ ان کے پاس کس قسم کا اسلحہ ہے۔ کچھ بھی ہو۔ انھوں نے حفاظتی انتظامات ضرور کر رکھے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے جمشید۔ فکر نہ کرو۔"

خان رحمان اپنی تیاریوں میں لگ گئے۔ اس طرح رات ہو گئی۔ اب وہ سب دبے پاؤں خیمے سے نکلے اور سینوں کے بل رینگتے ہوئے سرحد کی طرف چل دیے۔ کیپٹن اور فوجی کو اب تک وہ کئی بار رومال سنگھا چکے تھے۔ لیکن آگے بڑھنے انھیں کھلا چھوڑ آئے تھے۔

انھیں ایک بار اور چکر کاٹنا پڑا۔ آخر ایک ایسے مقام تک پہنچ گئے۔ جہاں اپنی طرف کا کوئی فوجی موجود نہیں تھا۔ لیکن دشمن کے دو فوجی ٹہل رہے تھے۔ وہ اسی طرح رینگتے ہوئے ان کے نزدیک پہنچ گئے۔ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا نے ان دونوں کو دبوچ لیا۔ اور ان کے گلے دباتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ وہ ڈھیلے پڑ گئے۔



"انھیں زندہ چھوڑنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہو گا۔ ہمارے لیے بہتر یہی ہے کہ کم سے کم خطرات کا سامنا کریں۔ ایسے میں" پروفیسر داؤد نے سرگوشی کی۔

"آپ کا مشورہ بہت اچھا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور ایک بار پھر فوجی کے گلے پر ہاتھ جما دیے۔ انسپکٹر کامران مرزا نے بھی یہی کیا۔ جلد ہی دونوں فوجی اگلے جہان رخصت ہو چکے تھے۔ اب بہت دور تک میدان صاف نظر آیا۔ وہ پیٹ کے بل رینگتے رہے۔ انھیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ریت کے سمندر پر تیر رہے ہوں۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" شوکی نے دبی آواز میں کہا۔

"بس صرف ایک۔ یہاں تو ان گنت باتیں ایسی ہیں جو سمجھ میں نہیں آئیں۔" فاروق مسکرایا۔

"خاموش!" اچانک انسپکٹر جمشید نے خوف زدہ لہجے میں سرگوشی کی۔

انھوں نے چونک کر دیکھا۔ قدرے فاصلے پر کچھ لوگ دیوار کی صورت میں کھڑے تھے، ایسے میں ان میں سے ایک کی آواز ابھری:

# کھلونے انکل

"اب یہاں ہمارا صرف ایک ماہ کا کام رہ گیا ہے — پھر ہم اس ریگستان کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چل دیں گے۔"

"لیکن سر، ریگستان میں ایک ماہ گزارنا بھی تو آسان کام نہیں ہے — دوپہر کے وقت تو آگ برسنے لگتی ہے۔" ایک اور آواز سنائی دی۔

"اپنے وطن کے لیے تو لوگ جلتی آگ میں کود پڑتے ہیں — اپنے جسموں سے بم باندھ لیتے ہیں، ٹینکوں کے نیچے لیٹ جاتے ہیں اور ہم ایک ماہ ریگستان میں بھی نہیں گزار سکتے — جب کہ یہاں ہر چیز حاصل ہے۔" پہلے نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"اوہ — معاف کیجیے گا سر — میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" دوسرا گھبرا کر بولا۔

"ویسے یہ ہماری کس قدر زبردست کامیابی ہے — دشمن ملک کو کانوں کان پتا نہ چلا کہ ہم ریگستان پر کیوں قبضہ کرنا



چاہتے ہیں، اور اس سارے معاملے کے ہیرو مسٹر رضوان شاہی ہیں۔"

"اب آپ میری اتنی بھی تعریف نہ کریں۔"

اس آواز نے انھیں زور سے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ یہ رضوان شاہی کی آواز تھی۔

"نہیں شاہی — تم اس قابل ہو کہ تمھاری تعریف کی جائے اور ابھی کیا ہے — جب ہم اپنا کام مکمل کر کے اپنے وطن پہنچیں گے — تعریف تو تمھاری اس وقت ہو گی۔"

"آپ — آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں سر۔" رضوان شاہی بولا۔

"نہیں بھئی — ایسی کوئی بات نہیں — تمھیں وہاں ایک اتنا بڑا اعزاز دیا جائے گا کہ ہمارے ملک کے بھی کسی آدمی کو آج تک نہ ملا ہو گا — تم ہمارے ملک کے نہیں ہو — پھر بھی ہمارے لیے جو کیا — کوئی اپنا بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

"اس ملک نے مجھے دیا ہی کیا ہے سر کہ میں اس کے لیے دن رات کھپوں — ایک مہینہ کام کرتا تھا تب کہیں جا کر تین ہزار روپے کی شکل دیکھنا نصیب ہوتی تھی — وہ تو بھلا ہو آپ کا — کہ آپ نے مجھ سے آ کر ملاقات کی اور مجھے اپنے ملک کے لیے کام کرنے پر آمادہ کیا — پندرہ ہزار

روپے ماہوار کی پیش کش مجھے اس قدر شان دار تھی کہ میں انکار نہ کر سکا، اور اب تو مجھے تیس ہزار ماہوار ملا کریں گے — انعام ملا کریں گے۔"

"بالکل مسٹر رضوان شاہی — کام تو ہمارے لیے تم ایک مدت سے کر رہے تھے — لیکن تمہارا سنہری کارنامہ یہ ہے کہ تم لیاقت تاج کے دوست بن گئے اور اس کے والد تاج خان سے بھی گپ شپ لگانے لگ گئے — اس گپ شپ کے نتیجے میں تمہیں اس ریگستان کے بارے میں پتا چلا — اس کے متعلق جو فائل محکمہ خارجہ میں تھی — اس کا علم ہوا، اور عقل مندی تم نے یہ کی کہ خود کچھ نہ کیا — ہمیں اطلاع دے دی، اور ہم نے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، پہلے ہم نے فائل حاصل کی۔ فائل کے مطابق شہر کے ایک پرانے مکان میں اس ریگستان کا نقشہ موجود تھا — میں نے اس مکان کو بھی فوراً تلاش کر لیا — اگرچہ اس کی جگہ اب ایک کوٹھی بن چکی تھی، لیکن فائل میں کچھ اس حد تک وضاحت تھی کہ تہ خانہ تلاش کرنا مشکل ثابت نہ ہوا اور اس طرح میں نے تہ خانے میں سے نقشہ حاصل کر لیا — کوٹھی کے مالک کو بھی چند حیرت انگیز چکر دینا پڑے — تاکہ وہ ان چکروں میں چکراتا رہے اور میں اپنا کام کر گزروں، اور ایسا ہی ہوا — نقشہ ملنے کے بعد



ہمارا کام چونکہ بالکل آسان ہو گیا تھا، لہٰذا ہم نے فوراً ہی کھدائی شروع کرا دی — اور چند ہی دنوں میں ہم نے شان دار قسم کی کامیابیاں حاصل کر لیں — ایک ماہ میں تو نہ جانے کیا کچھ حاصل کر سکیں گے — اب ذرا غور کرو — اگر یہ فائل اور نقشہ — تمہارے ملک کے کسی وطن پرست کو مل جاتے تو وہ فوراً حکومت کی توجہ اس طرف دلاتا — اور یہ سب ہمارے ہاتھ نہ لگ سکتا۔ تاج خان بھی وطن پرست نہیں تھا۔ وہ تمام زندگی یہی سوچتا رہا کہ اس فائل سے کسی طرح خود فائدہ اٹھائے، لیکن وہ جرأت بھی نہ کر سکا اور فائل کے بارے میں حکومت کو بھی کچھ نہ بتا سکا — ملک بننے کے فوراً بعد تاج خان کو ہی اس محکمے کا ریکارڈ کیپر مقرر کیا گیا تھا، اور پھر فائلیں الگ کرنے کا کام اسی کو سونپا گیا تھا — گویا وہ پہلا آدمی تھا — جس نے ملک بننے کے بعد اس فائل کو پڑھ لیا تھا، اور اس کے بعد میں نے اسے وہاں سے حاصل کر کے پڑھا۔"

ریگستان میں خاموشی چھا گئی — ان کے دماغ بھائیں بھائیں کر رہے تھے — شاید انھوں نے اپنی زندگی کی حیرت انگیز ترین باتیں سنی تھیں — ان کے لیے اب یہ ضروری ہو گیا تھا کہ ان دشمنوں کے سامنے نہ آئیں، اور چکر کاٹ کر آگے بڑھیں — پہلے یہ تو دیکھ لیں کہ ریگستان کا راز ہے کیا — بے چینی

نے انھیں پوری طرح اپنے قبضے میں لے لیا تھا — ان کا جی چاہا۔ وہ نامعلوم آدمی کچھ اور بھی بولے — لیکن وہ تو خاموش ہو چکا تھا —

آخر وہ وہاں سے پیچھے کھسک آئے — اور کافی بڑا چکر کاٹ کر پھر آگے بڑھنا شروع کیا — آسمان پر چودھویں رات کا چاند نکلا ہوا تھا اور اس کی روشنی ان کی مدد کر رہی تھی — تارے بھی خوب کھلے ہوئے تھے اور ایسے میں ریگستان کے سینے پر یہ چند دیوانے آگے بڑھ رہے تھے — انھیں دھن تھی تو صرف ایک — یہ کہ کسی طرح ملک کو نقصان پہنچنے سے بچا لیں — اس کے لیے چاہے انھیں اپنی جانیں ہی کیوں نہ دینا پڑیں — انھیں تو … ہی نہیں تھا کہ وقت کی حکومت نے انھیں … پھونکے کی مانند نکال باہر کیا ہے —

"خان رحمان! تمھاری فوج کے پاس کتنا اسلحہ ہے اور ہم کتنے آدمیوں کا مقابلہ کامیابی سے کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بہت بہت آہستہ آہستہ آواز میں کہہ رہے تھے۔

"پانچ رائفلیں اور اسی گولیاں ہیں — ہم قریباً دو سو آدمیوں کا مقابلہ تو کر ہی سکتے ہیں۔" خان رحمان نے جواب دیا۔

"اسی گولیوں سے دو سو آدمی — کیا مطلب؟" انسپکٹر کامران مرزا نے حیران ہو کر کہا۔



"یوں تو ہم بغیر کسی گولی کے بھی دو سو کا مقابلہ کر سکتے ہیں نا انکل۔" آصف نے جلدی سے بولا۔

"ہاں! لیکن میں گولیوں کا حساب پوچھ رہا ہوں۔"

"اسی گولیاں اگر ہم چلائیں گے تو اسی دشمن مریں گے — ان کی رائفلوں میں سے بھی کچھ رائفلیں ضرور ہمارے ہاتھ لگیں گی اور اس طرح ہم دو سو کے قریب آدمیوں کا مقابلہ تو کر ہی گزریں گے۔" اشفاق نے مسکرا کر بتایا۔

"بہت خوب — آخر فوجی ہیں نا۔"

"ہمیں نہیں معلوم کہ اس ریگستان میں دشمن کے کتنے فوجی موجود ہیں — سرحد پر کتنے ہیں — پیچھے اور کتنے ان کی مدد کے لیے آ سکتے ہیں — اور ہماری فوج بھی تمھاری کوئی مدد نہیں کرے گی — کیوں کہ ان کے پاس کوئی اختیارات نہیں ہیں اور ہم انھیں حکم دے نہیں سکتے — نہ وہ ہمارا حکم مانیں گے — اس لیے خان رحمان — تمھاری زندگی کے تجربات کا امتحان ہونے والا ہے۔ تمھیں اس بے سروسامان، کمزور اور بے بس فوج کو کس طرح لڑانا ہے — یہ تمھارا کام ہو گا — ہمارا کام جہاں شروع ہو گا — وہ ہم کریں گے۔" انسپکٹر جمشید نے جذباتی آواز میں کہا۔

"مجھ سے بھی کچھ ہو سکتا ہوں جمشید —" ایسے میں پروفیسر داؤد کی آواز ابھری۔

"ضرور — کیوں نہیں پروفیسر صاحب۔"

"اسی ٹوپیوں میں کچھ میں بھی اضافہ کر سکتا ہوں۔" وہ بولے۔

"جی کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید نے چونک کر کہا۔

"مطلب یہ کہ میرے پاس بھی چند چیزیں موجود ہیں — اور ان کی مدد سے بھی وقتی طور پر کچھ دشمنوں کو بے کار کیا جا سکتا ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے — کھلونے انکل۔" آفتاب چہکا۔

"میں کھلونا انکل نہیں ہوں۔" انھوں نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ — آپ میرا مطلب غلط سمجھے۔" آفتاب گھبرا گیا۔

"آپ وہ کھلونے ان لوگوں کو دے دیں — کھلونے انھی کے ہاتھ میں اچھے لگتے ہیں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"لیکن انکل — ہمارے ہاتھوں میں رائفلیں بھی اچھی لگتی ہیں۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں بھئی — میں مانتا — ادھر — سامنے کیا ہے، ذرا دیکھیے۔"

اب سب نے اپنے سامنے دیکھا — بہت سے فوجی انھیں ایک دائرے میں گھیرے نظر آئے — دائرے کے اندر ان گنت مزدور کدالوں سے کھدائی کرنے میں مصروف تھے۔

"اس کا مطلب ہے — ہم اصل جگہ پر پہنچ گئے۔"

"ہاں! اور یہ ہے — اس قدر تیزی سے کھدائی۔" محمود بڑبڑایا۔



"یہ جلد از جلد فارغ ہو جانا چاہتے ہیں، اور ان کے خیال میں انھیں ایک ماہ اور لگے گا، گویا کام اتنا تھوڑا نہیں ہے۔"

"اللہ ہی بہتر جانتا ہے — ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ ان تمام فوجیوں اور مزدوروں سے جنگ لڑنا ہمارے بس کی بات ہے یا نہیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اگر بس کی بات نہ ہو تو ہم کیا کریں گے پروفیسر صاحب — پہلے تو یہ بتائیں۔" خان رحمان مسکرائے۔

پروفیسر داؤد چکرا کر رہ گئے — آخر انھوں نے کہا:

"پھر بھی ہمیں لڑنا ہو گا — ان حالات میں ہم واپس تو جائیں گے نہیں۔"

"میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے، اور شاید وہ بہت محفوظ ترکیب ہو گی۔" ایسے میں فرزانہ بولی۔

"مہربانی فرما کر جلدی بتا دو — کہیں وہ کچھ زیادہ ہی محفوظ نہ ہو جائے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"ابا جان آپ شہر جا کر — یا اپنی سرحد پر جا کر وائرلیس کے ذریعے صدر صاحب سے بات کریں، انھیں صورت حال بتائیں، اور بتائیں کہ یہاں کیا معاملہ درپیش ہے — ہو سکتا ہے — وہ ہمارا ساتھ دینے پر تیار ہو جائیں۔"

"وہ دشمن ملک سے جنگ چھیڑنا ہرگز پسند نہیں کریں گے۔"

"تب پھر — کیا صرف ہم ہی کو مقابلہ کرنا ہوگا؟"

"ہاں! یہ میدان ہمیں ہی مارنا ہوگا۔ اور وہ بھی اس انداز سے کہ دشمن ملک کو کانوں کان خبر نہ ہو سکے — کہ کیا تبدیلی آ چکی ہے۔"

"یہ — یہ بھلا کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"اللہ چاہے — تو سب کچھ ہو سکتا ہے — پہلے ہم عشا کی نماز ادا کر لیں — پھر اپنا کام شروع کریں گے۔"

اور وہ ریت پر اللہ کے حضور جھک گئے — نماز سے فارغ ہوئے تو ان کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے — ابھی دعا سے فارغ ہوئے تھے کہ مزدوروں کا ایک بلند نعرہ ان کے کانوں سے ٹکرایا:

"وہ مارا — ایک اور کامیابی۔"

"یہ لوگ تو کامیابیوں پر کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں۔ اب ہم کیا کریں۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"کچھ کرنے کرانے کی ضرورت نہیں — ہم تو پہلے ہی ناکامیاں حاصل کر رہے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔



"ان کی کامیابیاں بھی ہمارے پلے ہی آ گریں گی — فکر نہ کرو۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"واہ! آپ نے تو میرے منہ کی بات چھین لی۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو گئے۔

"وہ — وہ مجھے انکل۔" فرزانہ نے انسپکٹر کامران مرزا سے درخواست کی۔

"کک — کیا — کیا دے دوں؟" ان کے لہجے میں حیرت در آئی۔

"منہ کی وہ بات جو آپ نے چھین لی ہے — ویسے یہ عجیب بات ہے — آپ دونوں کے ذہنوں میں ایک وقت میں ایک ہی بات کیوں آتی ہے؟"

"بیٹا نہیں — حیرت ہمیں بھی ہوتی ہے۔"

رینگتے ہوئے وہ آواز کی سمت میں چل پڑے — ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے — جو راز جاننے کے لیے وہ بہت بے تاب تھے — اب وہ معلوم ہونے ہی والا تھا — دور سے ہی انھوں نے دیکھ لیا — بے شمار فوجی — ایک بہت بڑی جگہ کو گھیرے کھڑے تھے — یعنی انھوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا — اتنے بہت سے فوجیوں کو دیکھ کر انھیں پسینہ آ گیا — ان کی نظریں خان رحمان کی طرف

http://www.pakfunplace.com

ہو گئیں!"

"کیوں خان رحمان — ہمارے کمانڈر — اب تم کیا کہتے ہو — کیا ہم اتنے فوجیوں سے جنگ لڑ سکیں گے، وہ بھی اس کھلے میدان میں۔" انسپکٹر جمشید نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"ہاں جمشید — میں اپنی اس ننھی سی فوج کو اتنی بڑی فوج کے ساتھ نہایت کامیابی سے لڑا سکتا ہوں — لیکن بات کانوں کان خبر نہ ہونے والی نہیں رہ جائے گی — یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔" خان رحمان پُرسکون انداز میں بولے۔

"میرا ایک مشورہ ہے، اور وہ یہ کہ ابھی ہم اس پوزیشن میں نہیں کہ اس جگہ کو دیکھ سکیں — لہٰذا کیوں نہ پیچھے ہٹ جائیں اور کھل کر مشورہ کر لیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں — یہاں ٹھہر کر سرگوشیاں کرنا کسی طرح بھی خطرے سے خالی نہیں۔" شوکی نے جلدی جلدی کہا۔

"میں شوکی سے پوری طرح اتفاق کرتا ہوں۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"جب آپ نے بھی اتفاق کر لیا — تو ہماری لڑائی کس طرح رک سکتی ہے — چلیے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

اور وہ اس جگہ سے بہت دور ہٹ گئے — اب ان کے چاروں طرف ریت ہی ریت تھی — اور دور دور تک کوئی دشمن



نظر نہیں آ رہا تھا — تاہم انھوں نے سمت کا اندازہ کر لیا تھا اور کسی وقت بھی اس سمت میں روانہ ہو سکتے تھے — اس جگہ انھوں نے ایک گھنٹے تک مشورہ کیا — ہر ایک کا مشورہ سنا گیا اور آخر میں انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا نے اپنا فیصلہ سنایا — پھر وہ اس فیصلے کے مطابق ایک سمت میں روانہ ہو گئے — ایک گھنٹے بعد وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں انھوں نے رضوان شاہی اور اس نامعلوم آدمی کو باتیں کرتا سنا تھا — لیکن اب وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

"دیکھیے — اب کیا کریں — وہ تو یہاں سے جا چکے ہیں۔" محمود نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"فکر کی ضرورت نہیں — وہ یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہوں گے — آؤ۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

وہ اور آگے بڑھے — جلد ہی انھیں ایک خیمہ نظر آیا۔ اس خیمے کے ارد گرد بھی تقریباً دس فوجی کھڑے پہرہ دیتے نظر آئے۔

"پھر ٹیڑھی لکیر۔" مکھن بڑبڑایا۔

"سیدھی لکیر کی اس ریگستان میں امید رکھنا فضول ہے۔" فاروق بولا۔

"ہم ایک وقت میں صرف تین فوجیوں کو اس طرح خاموش کر

سنتے ہیں کہ ذرا بھی آواز پیدا نہ ہو۔ چھوٹی پارٹی اور پروفیسر صاحب یہ کام نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اب ہمیں چال چلنا ہو گی۔ باقی لوگ پیچھے ہٹ جائیں۔ صرف ہم تین یہاں رہیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی ہدایات دیں۔

وہ پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ اب ان تینوں نے اپنے جسموں کو گردن تک ریت میں چھپا لیا اور صرف ہاتھ باہر رہنے دیے۔ پھر انسپکٹر جمشید نے منہ سے ایک عجیب و غریب آواز نکالی۔

"ارے۔ یہ کیسی آواز تھی۔" ایک فوجی نے چونک کر کہا۔

"بشش۔ شاید کسی جانور کی آواز تھی۔ ریگستان کے جانور کی۔" دوسرے نے گھبرا کر کہا۔

"اوہو۔ وہ جانور تو شاید وہاں ہے۔ ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں شاید شکار کے قابل ہو۔ مزا آ جائے گا۔"

"اکیلے نہ جاؤ۔ میں ساتھ چلتا ہوں۔ وہ خطرناک بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ آؤ۔"

دونوں [illegible] چھپاتے ان تینوں کی طرف آئے۔ چاند کی روشنی میں وہ دور سے صاف نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اتنی دیر میں وہ اپنے سروں کے آس پاس کچھ ریت ڈال چکے تھے۔ اور ہاتھ بھی ریت میں چھپا چکے تھے۔



"ہائیں۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔" ایک نے حیران ہو کر کہا۔

"ذرا آگے چل کر دیکھتے ہیں۔ جانور آگے نہ بڑھ گئے ہوں۔" دوسرا بولا۔

جونہی وہ آگے بڑھے۔ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کے ہاتھوں نے ان کی گردنیں اچانک دبوچ لیں۔ ان کے منہ سے ہلکی سی آواز بھی نہ نکل سکی اور وہ لڑھکتے چلے گئے۔ دونوں نے انھیں اسی وقت چھوڑا۔ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ ساتھ ہی انھوں نے لیٹے ہی لیٹے انھیں ریت میں دفن کر دیا۔ ادھر ان کے ساتھیوں نے جب انھیں واپس آتے نہ دیکھا تو حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

"ارے۔ یہ دونوں کہاں چلے گئے۔"

"جانور کی تلاش میں دور تو نہیں نکل گئے۔ میں دیکھتا ہوں جا کر۔ اگر سر خیمے سے نکل آئے ... ہماری [illegible] کم دیکھی تو مصیبت آ جائے گی۔" ایک کی دبی آواز سنائی دی اور پھر وہ بھی ان کی طرف آیا اور انھیں کی طرح ریت میں دفن ہو گیا۔ کچھ وقت اور گزرا۔ پھر ان کی تلاش میں تین اور آئے اور اس بار خان رحمان کو بھی حرکت میں آنا پڑا۔ تین اور رخصت ہوئے۔ اب چار رہ گئے تھے اور شاید بہت خوف زدہ ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"اب ہم کیا کریں — اس طرف تو کوئی گڑبڑ نظر آتی ہے۔"

"کیوں نہ سر کو خبر کر دیں۔"

"وہ ہم پر بگڑیں گے — پہلے ہم اپنے ساتھیوں کو تلاش کریں گے۔"

"تب پھر چاروں ہی چلتے ہیں۔"

"آؤ — دیکھا جائے گا۔"

وہ چاروں ان کی طرف آئے — تینوں فکرمند ہو گئے — تین کو تو وہ قابو میں کر سکتے تھے — چوتھے کا کیا کرتے — ابھی وہ سوچ بھی نہیں پائے تھے کہ وہ نزدیک آ گئے — تینوں خود کو پوری طرح ریت میں چھپائے ہوئے تھے — اس لیے چاروں آگے نکل گئے — ایسے میں انسپکٹر جمشید کو عجیب سوجھی — انہوں نے سب سے پیچھے والے پر اس طرح ہاتھ صاف کیا کہ اگلے تین کو خبر تک نہ ہو سکی — اس سے فارغ ہوتے ہی وہ ان تینوں پر بیک وقت وار کرنے کے قابل ہو گئے — تبھی وہ اپنے چوتھے ساتھی کی عدم موجودگی محسوس کر کے خوف زدہ انداز میں مڑے — ان کی گردنیں ان کے ہاتھوں میں آ گئیں — خیمہ کی نگرانی کی حد تک اب میدان صاف تھا — انہوں نے باقی ساتھیوں کو بھی ساتھ لیا اور خیمے کی طرف دیکھنے لگے — اب ان سب کے پاس ایک ایک رائفل موجود تھی —



انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا خیمے کا پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوا ہی چاہتے تھے کہ ٹوں ٹوں کی آواز نے ان کے قدم روک لیے — جلد ہی اس نامعلوم آدمی کی آواز ابھری:

"ہیلو سر — ایکس تھرٹی بات کر رہا ہوں۔"

"مسٹر رضوان شاہی بھی خیمے میں موجود ہے؟"

"یس سر — لیکن وہ سو رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے — اسے اسی حالت میں ختم کر دو۔ ہم اس سے جو کام لے سکتے تھے — لے چکے۔"

"او کے سر — ابھی حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے۔"

"اور کامیابیوں کی خبر؟"

"جی ہاں — بہت ہی عظیم کامیابیاں ہم حاصل کر چکے ہیں — ابھی یہاں ایک ماہ اور لگے گا۔"

"بہت خوب — ہماری اصل کامیابی یہ ہے کہ ہم نے دشمن ملک کے کسی بھی فرد کو کانوں کان خبر تک نہیں ہونے دی۔"

"یس سر۔"

"اچھا ٹھیک ہے — اب تم رضوان شاہی کا کام تمام کر دو۔"

"او کے سر۔"

آواز اُٹھا بند ہو گئی — کمرے میں چاقو کھلنے کی کھڑکھڑاہٹ
گونج اُٹھی — وہ کانپ گئے — غدار کا انجام قریب تھا — لیکن سوچتے
میں نہیں ہونا چاہیے تھا — چنانچہ دونوں نے اندر داخل
ہونے کا فوری طور پر فیصلہ کر لیا، لیکن ابھی انھوں نے
قدم اندر کی طرف اٹھائے ہی تھے کہ رضوان شاہی کی آواز
گونجی

"میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں مسٹر ایکس تھری، کہ تم لوگوں
پر اعتبار کر لیتا۔ جس وقت سے تم لوگوں نے عظیم انعام کی
بات بڑے زور سے شروع کی ہے — اس وقت سے میرا
اطمینان اڑ گیا ہے، اور میں خود کو ہر وقت موت کے منہ
میں محسوس کرتا رہا ہوں — مرنا تو خیر مجھے پڑے گا — اپنے
وطن سے غداری کی سزا تم مل کر رہے گی — افسوس اس
بات کا ہے کہ اس کا احساس مجھے بہت بعد میں ہوا — جب
ہی سے تم لوگوں کی نیت بھانپ لی — لیکن میں کم از کم
تمھیں مار کر مروں گا — اب تم اس پستول کی گولی سے بچ
نہیں سکتے۔"

"تم بے وقوف ہو مسٹر شاہی — یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ
تم میرے ساتھ رہتے ہیں ہو اور ہم تمھارے پاس بھرا
ہوا پستول رہنے دیں — تمھارا پستول تو کب کا خالی کیا جا چکا



ہے۔" ایکس تھری نے شوخ آواز میں کہا۔

"نن — نہیں — نہیں۔" رضوان شاہی کی خوف زدہ آواز ابھری
— پھر ٹریگر دبنے کی آواز سنائی دی، لیکن گولی چلنے کا دھماکا
نہ ہوا۔

"میں نے غلط تو نہیں کہا تھا —" ایکس تھری ہنسا۔

"خبردار — تم مجھے قتل نہیں کر سکتے۔" رضوان شاہی خوف
زدہ آواز میں بولا۔

"میں اس کام کا بہت ماہر ہوں — اگر تمھارے ہاتھ میں بھرا ہوا
پستول ہوتا — تب بھی تمھاری گولی سے پہلے میرا خنجر تم تک پہنچ جاتا
اور میں گولی سے بال بال بچ جاتا — تو اب تم ... ہوشیار ہو جاؤ۔"

"خبردار۔" انسپکٹر جمشید کی گرج دار آواز گونجی۔

ایکس تھری اور رضوان شاہی بہت بری طرح اچھلے تھے
ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا کا بھرپور مکا ایکس تھری کی تھوڑی
پر لگا — وہ دوسری طرف الٹ گیا لیکن فوراً ہی اس نے اٹھنے
کی کوشش کی — چاقو اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا — اٹھتے ہی
اس نے انسپکٹر کامران مرزا پر چھلانگ لگائی۔ لیکن اوندھے منہ
زمین پر گرا — ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا کا پاؤں اس
کی کمر پر پورے زور سے لگا اور اس کا خنجر والا ہاتھ
گرتا چلا گیا — خان رحمان نے آگے بڑھ کر خنجر ہاتھ سے

نکال لیا۔

"اب تم دونوں بالکل خاموش رہنا۔ ورنہ ہم زبان کاٹ کر پھینک دیں گے۔" انسپکٹر جمشید غرائے۔

دونوں سہمے ہی رہ گئے۔ انھیں رسی سے باندھ دیا گیا۔

"مسٹر ایکس تھری، سرحد پر آپ کے فوجی موجود ہیں۔ لیکن یہاں جس جگہ ہم رہے ہیں اس جگہ بھی چاروں طرف تمھارے فوجی موجود ہیں۔ تم شان دار کامیابیاں بھی حاصل کر چکے ہیں، لیکن ہم نے جو کامیابی حاصل کی ہے۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" انسپکٹر جمشید طنزیہ ہنسی ہنس کر بولے۔

ایکس تھری نے کوئی جواب نہ دیا۔ تیز نظروں سے انھیں گھورتا رہا۔

"اچھا تو پھر ہم سے سن لیں۔ اس وقت تم لوگوں نے جتنی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ وہ سب کی سب اب ہماری کامیابیاں ہوں گی۔ تمھارا ملک ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔" یہ کہہ کر وہ خان رحمان کی طرف مڑے۔

"خان رحمان۔ تم ان کے فوجیوں کی وردی پہن لو۔ محمود، آصف وغیرہ کو بھی وردیاں پہنا دو اور خیمے کے گرد پہرہ شروع کر دو۔ کوئی نزدیک آتا نظر آئے تو مجھے اشارہ کر دینا۔ میں ایکس تھری کی آواز میں حکم دے دوں گا کہ خیمے کی طرف



آنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس دوران میں اور انسپکٹر کامران مرزا ایکس تھری اور رضوان شاہی کا میک اپ کریں گے۔ تاکہ وہ سمجھیں کہ ہم اس جگہ جو آئیں اور اندازے لگا آئیں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور کیا نہیں۔"

"شکریہ جمشید۔ تم فکر نہ کرو۔"

"میرے خدا۔ میں کیا نام سن رہا ہوں۔ انسپکٹر کامران مرزا۔ انسپکٹر جمشید۔ ان لوگوں کو تو ہم نے اپنے دوست ملک اشارجہ سے کئی کی عدالتوں سے نکلوا دیا تھا۔" ایکس تھری کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہم عدالت سے نکل سکتے ہیں۔ لیکن اپنے ملک سے نہیں نکلتے۔ ہم اس کے لیے جان دے سکتے ہیں۔ غداری نہیں کر سکتے۔ غدار ایسے ہوتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے نفرت زدہ انداز میں رضوان شاہی کی طرف دیکھا۔

خیمے میں میک اپ کا عمل شروع ہو گیا۔ ادھر خان رحمان وغیرہ مردہ فوجیوں کی وردیاں اتارنے اور پہننے میں لگ گئے۔ جلد ہی وہ خیمے کے گرد گھوم رہے تھے اور اندر ابھی میک اپ ہو رہا تھا۔ دونوں کو اس قدر مکمل میک اپ کرنا تھا کہ کسی کو ذرا بھی شک نہ گزرے۔ اور پھر ادھر میک اپ مکمل ہوا۔ ادھر دن نکل آیا۔ اب وہ تو صبر نہیں کر سکتے تھے۔ خیمے میں کھانے پینے کی

سے تیار بیٹھی تھیں — انھوں نے ناشتا کیا — اور دونوں اسی طرف چل کھڑے ہوئے — جہاں کھدائی ہو رہی تھی — انھیں آتا دیکھ کر [illegible] راستا دینے لگے — با ادب کھڑے ہو گئے — انھوں نے [illegible] کہا اور آگے بڑھ گئے۔

اور پھر انھوں نے اپنی زندگی کا ایک عجیب ترین نظارہ دیکھا — ریگستان کے نیچے ایک قدیم شہر موجود تھا — ریت کو ہٹا کر اس شہر کو تلاش کیا جا رہا تھا — اہم عمارات کی تلاشی لی جا رہی تھی، اور اس طرح حاصل ہونے والی چیزیں ایک طرف حفاظت سے رکھی جا رہی تھیں — ان میں انتہائی قیمتی چیزیں بھی تھیں۔

وہ اپنے چہروں سے حیرت ظاہر نہیں کر سکتے تھے، لہذا بڑی مشکل سے حیرت کے جذبات کو دبا [illegible] جمشید نے ایسی [illegible] کی آواز میں کہا:

[illegible] یہاں [illegible]

[illegible] محل [illegible] شہنشاہ کا محل رہا ہو گا، اور اس کے نیچے وہ [illegible] بڑا ہو گا۔

[illegible] جانتے ہوئے بھی شاید [illegible] نہیں کر سکتے۔

اور یہ سب کچھ [illegible] کی کڑی [illegible] جذبات کو [illegible] کے لیے کس قدر کام آئے گا — ہم [illegible] رہے تھے، انگلو



جمشید بولے۔

"یس سر — یس سر" کی آوازیں ابھریں۔

اور وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔

قدم اٹھاتے ہوئے وہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ [illegible] کوئی بہت اہم اور بڑا شہر تھا — شاید کسی ملک کا [illegible] معلوم ہوتا ہو گا اور پھر [illegible] یہ ریگستان بن گیا — اس شہر پر ضرور کسی شہنشاہ کی حکومت ہوگی — جس نے اپنا خزانہ محل کے پیچھے چھپا رکھا ہو گا، اور یہ باتیں انھیں اس فائل اور نقشے کے ذریعے حاصل ہوئی تھیں — شہر کو دیکھ دیکھ کر وہ حیرت کے سمندر میں ڈوبے جا رہے تھے — اس زمانے کے برتن، استعمال کی دوسری چیزیں — رہائشی مکانات کے ڈیزائن، سڑکیں — پانی کے نل — کتابیں، غرض ہر چیز ان کی حیرت میں اضافہ کر رہی تھی — وہ لوگ کچھ کم ترقی یافتہ نہیں تھے — ہاں اس زمانے میں ہوائی جہاز نہیں تھے — ریل گاڑیاں نہیں تھیں، لیکن صنعت کے بہترین نمونے ضرور موجود تھے — ایسے نمونے جو آج کے سائنسی دور میں بھی کہیں نظر نہیں آتے — ایسے میں دو آدمی دوڑ کر ان کی طرف آئے — ان کا سانس بری طرح پھولا ہوا تھا — آنکھوں میں حد درجے خوف تھا، اور جسم پسینے سے تر ہو رہے تھے — نزدیک آتے ہی وہ دھڑام سے گرے اور ایک

http://www.pak4umplace.com

ساتھ بولے:

"ہم ۔ ہم نے سر۔ ہم نے ۔ اسے پا لیا ہے ۔ تلاش کر لیا ہے ۔ ہم کامیاب ہو گئے ہیں ۔ ہمیں ہمارا انعام ۔ انعام ملے گا نا؟"

"ضرور ملے گا۔ لیکن تم نے کیا پا لیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"م ۔ محل ۔ محل۔" انھوں نے بڑی مشکل سے کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا اور پھر وہ ان کے ساتھ روانہ ہو گئے ۔ انھیں بہت دور تک چلنا پڑا ۔ یہاں تک کہ بُری طرح تھک گئے اور پھر انھوں نے محل کو دیکھ لیا ۔ ابھی اس کا تھوڑا سا حصہ ہی ریت سے باہر نکلا تھا ۔ لیکن اس کی شان و شوکت کا اندازہ اس تھوڑے سے حصے سے بھی لگایا جا سکتا تھا ۔ اور وہ یہ اندازہ بھی لگا سکتے تھے کہ اس محل سے ملنے والی چیزیں عجیب و غریب تو ہوں گے ہی ۔ نادر بے قیمتی بھی ہوں گی۔

"اگر محل کے نیچے خزانہ مل گیا ۔ تو ۔ تو ۔"

وہ اس سے آگے ۔ سوچ سکے ۔ ان کے ذہن اب تیزی سے کام کر رہے تھے



# السلام علیکم

مکمل محل کی کھدائی ایک ہفتے سے پہلے نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے انھوں نے واپس خیمے کا رخ کیا، اور جب انھوں نے یہ حیرت انگیز معاملہ انھیں بتایا تو ان سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ۔ ایسے میں آنا بیگا نے کہا:

"سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں؟"

"میں سوچ چکا ہوں، اور اس سلسلے میں آپ لوگوں سے رخصت ہوتا ہوں، شاید صبح سے پہلے لوٹ آؤں گا۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا آپ بتائیں گے نہیں کہ کہاں جا رہے ہیں۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا:

"ابھی یہ نہ پوچھیں۔" انھوں نے کہا اور سرحد کی طرف چل دیے ۔ وہ دور تک انھیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے، پھر وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے، اور عین اس وقت ۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہوئے، ٹوں ٹوں کی آواز گونج اٹھی

http://www.pakfunplace.com Scanned by Lubna Alvi

وہ چونک گئے — انھوں نے جلدی جلدی انسپکٹر کامران مرزا کی طرف دیکھا — وہ مسکرائے، اور بولے:

"فکر کی کوئی بات نہیں۔"

یہ الفاظ انھوں نے ایکس تھری کی آواز میں ادا کیے تھے — وہ ذرہ برابر بھی فرق محسوس نہیں کر سکے — خود ایکس تھری کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئیں — اس کے منہ پر بھی کپڑا کس کر باندھا گیا تھا — تاہم خطرہ تھا کہ وہ حلق سے آواز نکال کر اپنے ساتھیوں کو خبردار کرنے کی کوشش نہ کر بیٹھے — اس لیے خان رحمان نے انسپکٹر کامران مرزا کا اشارہ سمجھ کر اسے اٹھایا اور خیمے کے باہر لے گئے — اب انھوں نے وائرلیس سیٹ کا بٹن دبایا اور پھر بولے:

"یس سر — ایکس تھری بول رہا ہوں۔"

"کسی نئی کامیابی کی خبر؟"

"یس سر — ہم محل تک پہنچ چکے ہیں، لیکن مکمل محل ایک ہفتے تک ریت سے الگ ہو سکے گا۔"

"پروا نہیں — کام جاری رکھو۔"

"تھینک یو سر۔"

اور دوسری طرف سے سیٹ بند کر دیا گیا — انھوں نے بھی اس کو بند کیا اور خان رحمان کو اشارہ کیا — وہ پھر



ایکس تھری کو اٹھا لائے، اور پھر اس کے منہ پر سے کپڑا ہٹا دیا گیا۔

"مسٹر ایکس تھری — کھدائی کے گرد کل کتنے فوجی ہوں گے؟" خان رحمان بولے۔

"تقریباً ایک ہزار۔"

"اور ریگستانی سرحد پر؟"

"شاید اتنے ہی وہاں ہوں گے۔"

"اس وقت تک کیا کچھ سرحد پار اپنے ملک میں بھیج چکے ہو؟"

"ابھی یہ کام شروع نہیں ہوا — تمام چیزیں یہیں جمع کی جا رہی ہیں — دراصل ہمیں محل کی تلاش تھی — اصل چیز محل ہے اور محل اب مل گیا ہے۔" اس نے حسرت زدہ انداز میں کہا۔

"کیا فائل میں اس محل کے نیچے موجود خزانے کی تفصیلات تھیں؟"

"ہاں، وہ اتنا بڑا خزانہ ہے کہ بڑے سے بڑے ملک کے مالی بحران پر قابو پا سکتا ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"تب تو بہت اچھا ہو گیا کہ ہم تم لوگوں کے راستے پر لگ گئے — ورنہ تم تو لے گئے تھے ایک عظیم دولت — مسٹر ایکس، بات سمجھ میں نہیں آئی کہ لیاقت تاج کے بدلے کیس کا کیا چکر

تھا — آخر اس بریف کیس میں کیا تھا اور وہ خوف زدہ کیوں تھے
— شوکی برادرز کے پاس کون بریف کیس لے کر گیا تھا، انھوں
نے جلد ہی جلدی کہا۔

یاقوت تاج کے باپ نے اس فائل کا راز لکھ کر اپنے
بیٹے کے حوالے کیا تھا — دراصل اس کے والد کی نیت خراب
ہو گئی تھی — وہ چاہتا تھا اس خزانے کو چپ چاپ حاصل
کرے۔ لیکن وقت نے اسے مہلت نہ دی تھی، اس نے یہ راز
اپنے بیٹے کو سونپا اور خود مر گیا — بیٹے نے ایک مدت تک
تو پڑھ کر نہ دیکھا، لیکن پھر اس نے راز
پڑھ لیا — وہ چیٹ کا ہلکا تھا — کوئی راز اس سے ہضم نہیں ہوتا
تھا — لہٰذا اپنے دوست رضوان شاہی کو راز بتا بیٹھا — اسے
کیا معلوم تھا کہ رضوان شاہی دشمن ملک کا ایجنٹ ہے — رضوان
اس فائل کے چکر میں پڑ گیا، لیکن اس کے بارے میں وہ
یاقوت تاج کے والد کے لکھے ہوئے راز کو پڑھ کر ہی جان
سکتا تھا — لہٰذا اس نے دو تین مرتبہ اس راز کو چرانے کی
کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکا — ادھر یاقوت تاج نے تینوں
مرتبہ چور کو دیکھ لیا اور وہ ڈر گیا — چنانچہ اس نے اس بارے
میں بھی رضوان شاہی سے بات کی — رضوان شاہی کے ذہن میں
فوراً ایک پلان آیا — اس نے یاقوت تاج کو مشورہ دیا کہ وہ کاغذات



ایک بریف کیس میں بند کر کے شوکی برادرز کے پاس رکھوا دیے
جائیں — شوکی برادرز کا تعارف بھی اس نے کرایا — یاقوت تاج
نے یہ بات فوراً مان لی اور یہ کام اس کے ذمے لگا دیا — اس نے
بریف کیس میں سے کاغذات نکال لیے اور خالی بریف کیس شوکی کے
ہاں رکھوا دیا — پھر کاغذات پڑھ کر اسے یہ ضروری معلوم ہوا کہ
یاقوت تاج کو ختم کر دیا جائے — کاغذات کا جھگڑا اسی طرح
ختم ہو سکتا تھا — چنانچہ اس نے اسے ختم کر دیا، اور شوکی
برادرز کو پھنسانے کی پوری پوری کوشش کر ڈالی، تاکہ اس
کی طرف کسی کا خیال تک نہ جائے — پھر اس نے ہمیں اطلاع
دی — اس کام کے لیے مجھے بھیجا گیا — میں اسی روز پہنچ گیا
کاغذات کا مطالعہ کیا اور خالد وراثی کے گھر پہنچ گیا — اس
نے نہ جانے سے نقشہ حاصل کرنا ضروری تھا — نقشہ بھی مل گیا اور
ہم نے اپنا پروگرام شروع کر دیا — جب کہ ریگستان پر قبضہ کرنے
کا کام مجھے ماہ پہلے شروع کر دیا گیا تھا — کیوں کہ یاقوت تاج
زبانی خود یہ رضوان کو بتا چکا تھا کہ چاہ شہر ریگستان کے نیچے ہے
یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

تمام باتیں صاف ہو گئیں — اب صرف اتنا کام رہ گیا ہے کہ
ہم ان دس ہزار فوجیوں سے کس طرح نجات حاصل کرتے ہیں، ان
کے لیے محمود اسی سلسلے میں گئے ہوئے ہیں، ان شاء اللہ کامیاب لوٹیں

گے — یہ الجھن بھی اس لیے ہے کہ ہم فوج کی سرکاری ملازمت میں ہیں ہیں — ورنہ چٹکی بجاتے ہیں یہ مسئلہ حل کر لیتے۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گئے، اور سب سوچ میں ڈوب گئے — اب انھیں صرف انسپکٹر جمشید کا انتظار تھا — آخر دوسری صبح ان کی واپسی ہوئی — ان کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے، لیکن آنکھوں میں اطمینان کی چمک تھی — آتے ہی وہ بولے۔

"میں براہ راست کمانڈر انچیف سے مل کر آ رہا ہوں، ان سے تفصیل بات کی ہے — پوری طرح کھل کر — اپنے بارے میں بھی انھیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے — لیکن میں سلوک کی شکایت لگانے نہیں اور نہ ملازمت پر بحال ہونے کے لیے آیا ہوں، بلکہ ملک اور قوم کا ایک عظیم مسئلہ ہے — پھر انھوں نے میری بات سنی اور یہ وعدہ کر لیا کہ صدر مملکت کو بتائے بغیر یہ آپریشن کیا جائے گا۔"

"جی — کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"وہ میرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق فوج ریگستان میں داخل کریں گے — نہایت خاموشی سے سارا کام کیا جائے گا اور پھر محل کے نیچے سے نکلنے والے دولت کے انبار اور دوسری تمام قیمتی چیزیں ملک میں منتقل کر دی جائیں گی — سرحد کے فوجی بظاہر اس صورت میں حملہ آور لگیں گے — لیکن ہوں گے وہاں خفیہ طور پہ جائے



ہی فوجی — مطلب یہ کہ دشمن کی سرحد پر بھی ہمارے فوجی ٹہلیں گے لیکن یوں لگے گا وہ ان کے سپاہی ہیں — اس کام میں وقت لگ جائے گا — کیوں کہ بظاہر تو جنگ ہو گی نہیں — ہم ایک ایک کر کے فوجیوں کا صفایا کرتے جائیں گے اور ان کی جگہ ان کی وردی میں اپنے فوجی کھڑے کرتے جائیں گے — اس طرح دشمن ملک یہی خیال کرتا رہے گا کہ اس کے فوجی اپنا کام کر رہے ہیں — ادھر سے ہم وائرلیس سیٹ پر سب اچھا کی رپورٹ دیتے رہیں گے — اور کامیابیوں کی خبریں پہنچا پہنچا کر انھیں خوش کرتے رہیں گے اور ایک ماہ بعد جب وہ رابطہ قائم کریں گے تو انھیں کوئی جواب نہیں ملے گا — اور جب ان کے فوجی ریگستان کو آ کر ٹٹولیں گے تو وہاں انھیں صرف ریت میں دفن ان کے فوجیوں کی لاشیں ہی مل سکیں گے، یا کچھ پرانے شہر کی عمارات — جن کی نہ ہمیں ضرورت ہے، نہ دشمن ملک کو — اصل ضرورت تو محل کے نیچے دفن خزانہ کی ہے — یہ ہے میرا پروگرام۔"

"بہت خوب — پروگرام اس قدر زبردست ہے کہ ہم تو اچھل پڑے ہیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

ادھر انیس عمری کے چہرے پر شدید الجھن، حیرت اور مایوسی دیکھنے میں آ رہی تھی۔

ایک دن بعد تینوں پارٹیاں کمانڈر انچیف کے ساتھ صدر کے سامنے بیٹھی تھیں۔ کمانڈر انچیف ہی انھیں لے کر یہاں آئے تھے — ورنہ انھوں نے کہہ دیا تھا کہ وہ جانے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے — جو ان کا کام تھا، وہ کر چکے ہیں، لیکن کمانڈر صاحب نہ مانے اور انھیں لے ہی گئے — تمام واقعات سن کر صدر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — انھوں نے لرزتی آواز میں کہا:

"وہ — وہ خزانہ کتنا بڑا ہے؟"

"ہزاروں کھرب کا خزانہ ہے — جو ہمارے ملک کے مالی بحران کو ہی نہیں، اور بھی کتنے ہی بحرانوں کو حل کر دے گا، اور ملک ترقی اور خوش حالی کے راستے پر چل نکلے گا — اب ہمیں کسی بڑی طاقت سے ہر سال قرض پر قرض لینے کی ضرورت نہیں رہے گی، بلکہ اب تو ہم لگے پچھلے تمام قرض چٹکی بجاتے ادا کر دیں گے ہی نہیں — اپنے مسلمان دوست ملکوں کو فراخ دلی سے قرضے دے بھی سکیں گے۔"

"ہم — مجھے اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آ رہا۔" صدر صاحب



بولے۔

"اور یہ کام ان لوگوں نے کیا ہے جن کو ملازمت تک سے نکال دیا گیا۔"

"ہاں! مجھے بہت افسوس ہے — مگر خیر۔"

"کوئی بات نہیں سر — ایسا ہوتا ہی رہتا ہے — اب ہمیں اجازت دیں۔"

"نہیں بھئی — اس طرح نہیں — تم صبح سے اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو گے۔"

"ہمیں معاف رکھیے سر — اس بارے میں ہم انتخابات کے بعد غور کریں گے — السلام علیکم۔"

صدر صاحب انھیں دیکھتے ہی رہ گئے اور وہ ایوانِ صدر سے نکل آئے۔